مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال
معارف رضا
سید وجاہت رسول قادری
پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)
اسلامی جمہوریہ پاکستان

SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
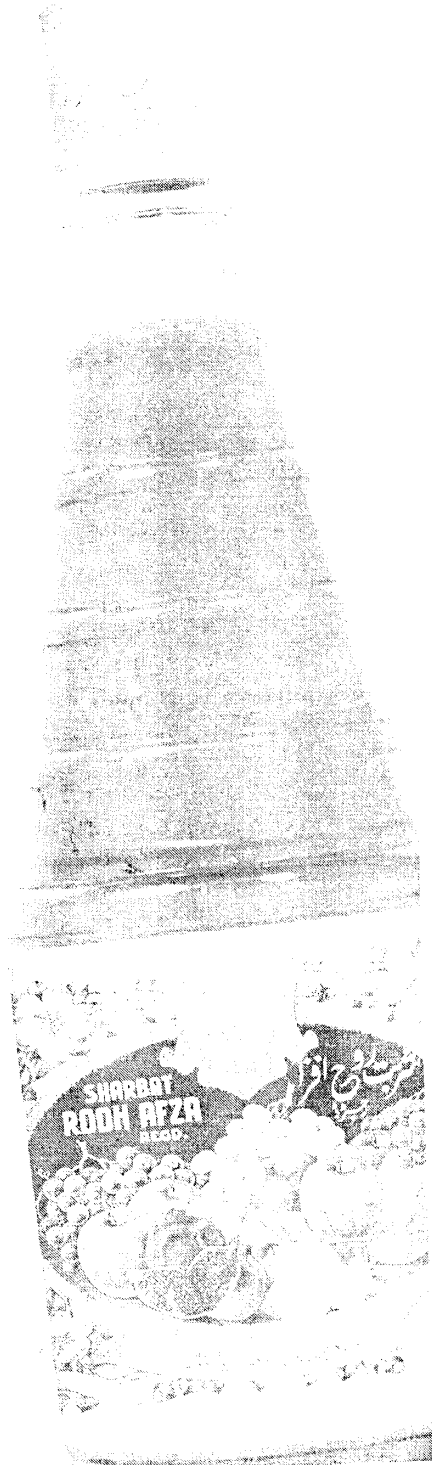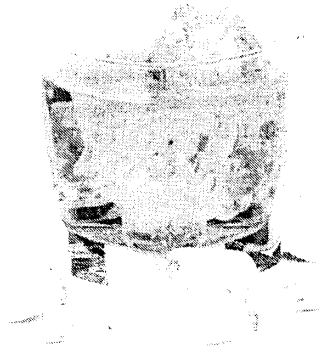
ماہنامہ

معارفِ رضا

کراچی

مسلسل اشاعت کا اٹھائیسواں سال

جلد: ۲۸ شمارہ: ۱۲

دسمبر ۲۰۰۸ء ذی الحج ۱۴۲۹ھ

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/200 روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350 روپے

بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔
زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

رقم دستی یا منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارفِ رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214- حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار/ مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

مرکزی دفتر: 25۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی 74400۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان

فون: 2725150-21-92+ فیکس: 2732369-21-92+

برانچ دفتر: 44/f-d، اسٹریٹ 38، سیکٹر F-6/1، اسلام آباد۔ فون: 051-2825587

ای۔میل imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

فہرس

''مقالہ نگار حضرات اپنی نگارشات ہر انگریزی ماہ کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں، مقالہ تحقیقی، مع حوالہ جات ہو، ۵ صفحات سے زیادہ نہ ہو، کسی دوسرے جریدہ یا ماہنامہ میں شائع شدہ نہ ہو۔ اس کی اشاعت کا فیصلہ ادارہ کی مجلسِ تحقیق و تصنیف کرے گی۔'' (ادارتی بورڈ)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الوریٰ ہو

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

مصطفیٰ (ﷺ) خیر الوریٰ ہو ‏ ‏ ‏ سرورِ ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق ‏ ‏ ‏ ہم بدوں کو بھی نباہو
کس کے پھر ہوکر رہیں ہم ‏ ‏ ‏ گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بد کریں ہر دم برائی ‏ ‏ ‏ تم کہو ان کا بھلا ہو
ہم وہی ناشستہ رُو ہیں ‏ ‏ ‏ تم وہی بحرِ عطا ہو
ہم وہی بے شرم و بد ہیں ‏ ‏ ‏ تم وہی کانِ حیا ہو
ہم وہی قابل سزا کے ‏ ‏ ‏ تم وہی رحمِ خدا (عزوجل) ہو
اب ہمیں ہوں سہو، حاشا! ‏ ‏ ‏ ایسی بھولوں سے جُدا ہو
عمر بھر تو یاد رکھا ‏ ‏ ‏ وقت پر کیا بھولنا ہو
یہ بھی، مولیٰ! عرض کردوں ‏ ‏ ‏ بھول اگر جاؤ تو کیا ہو
تم کو ہو، واللہ! تم کو ‏ ‏ ‏ جان و دل تم پر فدا ہو
تم کو غم سے حق بچائے ‏ ‏ ‏ غم عدو کو جاں گزا ہو
تم سے غم کو کیا تعلق ‏ ‏ ‏ بیکسوں کے غم زدا ہو
وہ عطا دے تم عطا لو ‏ ‏ ‏ وہ وہی چاہے جو چاہو

کیوں رضا مشکل سے ڈریے
جب نبی مشکل کشا ہو

نعتِ رسول مقبول ﷺ

برنگِ رضا

پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق☆

واہ کیا شوق ہے یہ اے دلِ شیدا تیرا
رات دن ان کی گلی میں ہو بسیرا تیرا

شاخِ طوبیٰ کی ہے اک شاخ کہا سب نے مجھے
شرفِ نعت نویسی سے یہ خاما تیرا

زلفِ مشکین محمد سے معطر ہے جہاں
کھل گیا سارا بھرم عنبر سارا تیرا

کعبہ تو قبلۂ عالم ہے برتِ کعبہ
اور رخِ پاک نبی قبلۂ و کعبا تیرا

در اقدس پہ جب آقا کے جبیں میں رکھ دوں
گر ٹھہر جائے تو کیا بگڑے زمانا تیرا

ان کی آمد پہ لحد نور سے بھر جائے گی
ہاں پتہ بھی نہ چلے گا کچھ اندھیرا تیرا

میں اسیر خمِ گیسو شہِ لولاک کا ہوں
مجھ پہ جادو نہ چلے گا کبھی دنیا تیرا

زندگی ہوجا بہ ناموسِ محمد قرباں
کس کو فرصت ہے کرے حل جو معمّا تیرا

تو نے دی صلوا علیہ کی کلیہ رحمت
شکر کس منہ سے کروں بارِ الٰہا تیرا

کھلے ہرگز نہ کبھی بابِ اجابت اس پر
تا وسیلہ نہ شود نامش منا جاتے را

صدقہ اس نور مجسم کا ہے خورشید فلک
بھیک اس در کی ہے اے چاند اجالا تیرا

معطی اللہ، نبی قاسم، ارے فکر نہ کر
کون چھینے گا تیرے منہ سے نوالا تیرا

بولا ہاتف کہ ہے اس نعت میں کیا کیف و سرور
قدسیاں وجد میں ہیں سن کے یہ نغما تیرا

یـا نبـی انـت حبیـبـی ہو مری نعت قبول
لوگ کہ دیں مجھے جاگا ہے نصیبا تیرا

کہتی ہے ملّتِ بیضا کے لہو کی سرخی
رنگ پھیکا نہ ہو، اے مسجدِ اقصا! تیرا

دھڑکنیں نامِ محمد سے جو وابستہ ہوئیں
حافظ، اے قلب! ہے اللہ تعالا تیرا

نگہ لطف جو تجھ پر شہِ کونین کی ہے
کیا بگاڑے گا بھلا برقؔ زمانا تیرا

☆سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ، داناپور کینٹ، پٹنہ، بہار، انڈیا
سربراہ شعبۂ اردو وفارسی، رئیس کلیہ فنون، ویرکنور سنگھ یونیورسٹی، اے آرا ے (بہار)، انڈیا

نذرانۂ عقیدت

بحضور اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت شاہ امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

کلام: پروفیسر اکرم رضا☆

ظلمتِ وقت میں سربسر روشنی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا
جس کی ہر ہر ادا آ گہی آ گہی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

مثلِ بانگِ درا جس کی گونجی صدا، جس نے ہم کو نشاں منزلوں کا دیا
جس نے افکار کو بخش دی تازگی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

صورتِ مردِ حق دشمنانِ نبی کے مقابل رہا تھا جو سینہ سپر
جس نے سکھلائے آدابِ عشقِ نبی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

وہ جو بن کے سحابِ کرم چھا گیا، بزمِ ہستی کو یکدم قرار آ گیا
غم کے ماروں کی کی جس نے چارہ گری، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

دینِ حق کا مبلغ، مفکر تھا وہ، اسوۂ شاہِ بطحا کا مظہر تھا وہ
''ماہِ طیبہ'' کی الفت کی تھا چاندنی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

زینتِ بزمِ حق، رہبرِ بے بدل، شرعِ دینِ متیں جس کا ہر اِک عمل
اس کا ہر قول تھا رہبری رہبری، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

جس کی نعتوں کے انوار سے چارسُو، حُبِّ شاہِ عرب کا اجالا ہوا
نعتِ احمد کے ایوان کی دل کشی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

نائبِ بُوحنیفہ وہی تھا رضاؔ، میرے دل میں وہ مثلِ چراغِ ہدیٰ
کل بھی تھا ضوفگن، اور ہے آج بھی، شاہِ احمد رضا، شاہِ احمد رضا

☆پروفیسر، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رضا اکیڈمی (ممبئی) کے تیس سال۔ علمِ نافع کے ابلاغ کی بہترین مثال

مدیرِ اعلیٰ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری کے قلم سے

از آن شمائل و الطاف حسنِ خوش کہ ترا است
میانِ بزمِ حریفان چو شمع سر برکن

تمام علوم کا منبع اللہ جل شانہٗ کی ذاتِ کریمہ ہے۔ اسی کا علم ازلی، ابدی اور حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی پر ''فوق ذی کل علم علیم'' کی انتہا ہے۔ اسی ذاتِ علیم وخبیر کا کرمِ خاص ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ اور منتخبِ روزگار بندوں کو علمِ لدنّی عطا فرما کر ان کی مزید شانیں بڑھاتا ہے تاکہ دنیا والوں پر واضح ہو جائے کہ جب وہ اپنے کسی عبدِ خاص کو ''مصطفیٰ'' یا ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کے گروہ میں شامل کر لیتا ہے تو پھر انہیں اپنے خزانۂ غیب سے علم وحکمت کے وہ رموز واسرار اور گوہر نایاب عطا فرماتا ہے کہ جسے دیکھ کر عقلِ انسانی حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علمِ لدنّی سے نوازا۔ آپ قرآن حکیم کی تلاوت فرمائیں، جگہ جگہ آپ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس خصوصی عنایت ورحمت اور فضل وکرمِ بے پایاں کے نظارے نظر آئیں گے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب اپنے حبیب لبیب، خاتم النبیین امام الانبیا ورُسُل ﷺ کی باری آئی تو اس نے دنیائے ملکوت کے ایک برگزیدہ اور مقرب خاص بندہ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ چار دانگ عالم میں اپنے محبوب پر اپنے بے انتہا فضل وکرم اور اُس بناء پر اپنے حبیبِ لبیب کی عظمت، علم وحکمت اور دانش وفراست کا اس اعلان کے ذریعہ ڈنکہ بجوایا:

ترجمہ: ''اور اللہ نے تم پر (خاص اور آخری) کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔'' (النساء ۴:۱۱۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب وحکمت کے اسرار وحقائق پر مطلع فرما کر آپ کو اَعلَمِ کائنات مبعوث فرمایا۔ یہی نہیں بلکہ اَعلَمِ کائنات ﷺ کے دامنِ کرم سے جو غلام بھی عشق ومحبت اور کامل اتباع کے جذبے کے ساتھ وابستہ ہوئے، خواہ وہ کسی زمان ومکان کے ہوں، انہیں بھی آپ ﷺ کے ساتھ بھلائی کے ساتھ وابستگی اور آپ کی اتباع و اطاعت کے طفیل علم وحکمت کے خزانوں سے نوازا گیا اور ان کو درجوں بلند کیا گیا۔

خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کی امت کے علماء و اولیا علم وعمل اور تبلیغِ دین کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔ (مفہوم) ان کے کمالات وکرامات، معجزات، علمی فتوحات اور روحانی کمالات کا مظہر ہیں۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ ان ذواتِ قدسیہ کی پروش وپرداخت، تعلیم وتعلم سید عالم ﷺ کی خصوصی توجہ کی مرہونِ منت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایسے حضرات ہر دور میں علم وحکمت کے چراغ اور تفقہ فی الدین کے منارۂ نور بن کر فروزاں وتاباں رہے ہیں، عوام وخواص سب کے مرجع اور مفید ومفیض رہے ہیں۔ علمِ حقیقی اور دانشِ نورانی اور رشد وہدایت کے ان چراغوں سے صبح قیامت تک

لوگ کسبِ نور کرتے رہیں گے۔

اس اعتبار سے جب ہم عصرِ حاضر کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا خاں قادری حنفی قدس اللہ سرہ العزیز کی عبقری شخصیت اللہ ربُّ العزت کے ان ہی احسان یافتہ عبادالمخلصین کی نمائندہ نظر آتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ان مقرب اور برگزیدہ بندوں میں سے تھے جن کو لوح وقلم کے سہارے تو بہت کچھ ملا ہی تھا مگر فیضِ ربِ قدیر اور فضلِ رسولِ کریم ﷺ سے وہ کچھ ملا جس کا تصور بھی عام ذہن نہیں کرسکتا۔ ان کا علم علمِ لدنّی تھا۔ یہی وہ علم ہے جس کی جھلک ان کی ہر تصنیف میں نظر آتی ہے۔ یہی وہ فکرِ رسا ہے کہ جسے دیکھ کر اہلِ علم حیران ہوتے جاتے ہیں۔

غرض کہ اس مقربِ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ کا یہی گرانقدر علمی، فکری، تحقیقی وتصنیفی سرمایہ ہے جسے آج اہلِ علم وتحقیق ''رضویات'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور مسلم اُمّہ کی فلاح واصلاح ونجات کے لیے جس کی تشہیر وتبلیغ کی اشد ضرورت ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ اہلِ تحقیق کے لیے یہ اسلامی معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں ہر علم وفن کے جاننے والے کے لیے موضوعات کی اس قدر کثرت ہے کہ اسے فیصلہ کرنا دشوار ہوجاتا ہے کہ کس موضوع کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے۔ مزید برآں آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا ہر پہلو ایک مستقل موضوع ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ایک ہزار سے زائد تصانیف اور کثیر علوم وفنونِ جدیدہ وقدیمہ پر ان کی حیرت انگیز گرفت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان کی شخصیت اور کارناموں پر ادارتی بنیاد پر علمی وتحقیقی کام کیا جائے اور علماء ومحققین کے استفادے کے لیے ذرائع ابلاغ کے تمام موجودہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ملکی اور غیر ملکی سطح پر اس کی تشہیر واشاعت کی جائے۔

امام احمد رضا پر تحقیق وتدریس کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی جارہی تھی کہ برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش، سوادِ اعظم اہلِ سنت کا مسکن ہے اور امام احمد رضا اس مسلک حقہ کے اس خطہ میں سب سے بڑے علمبردار اور امام، ان کی فکر میں بڑی گہرائی وگیرائی ہے۔ انہوں نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو ملّت کی فکری اساس قرار دیا ہے۔ وہ اتحادِ عالمِ اسلامی کے سب سے بڑے داعی تھے۔ انفرادی طور پر ''رضویات'' پر تحقیقی اور تصنیفی کام کا سہرا جن مخلص شخصیات کے سر ہے ان میں بلاشبہ محسنِ اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (م ۱۹۹۹ء) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء)، سید ریاست علی قادری (م ۱۹۹۲ء) رحمہم اللہ تعالیٰ سرفہرس ہیں۔ اس فہرس میں برصغیر پاک وہند کے چند دیگر مخلص علماء واسکالرز حضرات کے بھی اسمائے گرامی آتے ہیں جن کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔ (اس کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''رضویات نئے تحقیقی تناظر میں'' مرتبہ وجاہت رسول قادری و دیگر، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، ۲۰۰۸ء)۔ رضویات کی نشر واشاعت کے حوالے سے پاک وہند وبنگلہ دیش میں مرکزی مجلسِ رضا (مؤسسہ ۱۹۶۸ء) ایسا واحد ادارہ تھا جس نے سب سے پہلے نامساعد حالات کے باوجود اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ سے متعلق صالح لٹریچر بلاقیمت پیش کیا اور برصغیر کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی متعارف کرایا۔ اس ضمن میں مجلس کے روحِ رواں حکیم موسیٰ امرتسری مرحوم مغفور، ان کے دست رست مولانا شیخ عارف ضیائی زید مجدہٗ یقیناً اہلِ سنت و جماعت اور اہلِ علم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ بعد میں رضا اکیڈمی، ممبئی (موسسہ ۱۹۷۸ء)، انڈیا ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان (مؤسسہ ۱۹۸۰ء) اور رضا اکیڈمی، لاہور، پاکستان (مؤسسہ ۱۹۸۸ء) نے بھی تصانیفِ اعلیٰ حضرت کی بازیافت اور نایاب اور غیر مطبوعہ کتب ومخطوطات کی اشاعت پر توجہ دی اور بڑے

پیانے پر اعلیٰ کی تصانیف کی اشاعت اوران پر ریسرچ کے کام کو آگے بڑھایا۔ جہاں تک امام احمد رضا پر جدید جامعات میں ریسرچ کا تعلق ہے تو بلاشبہ اس میدان میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، پاکستان کو اس میں پیش رو کی حیثیت حاصل ہے۔ برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں جن مختلف اداروں میں تصانیفِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اوران پر لکھی ہوئی کتب کی اشاعت کا کام ہورہا ہے۔ ان کی ایک طویل فہرس ہے۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات ''رضویات نئے تحقیقی تناظر میں'' (ناشر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، ۲۰۰۸ء) میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ جب ہم رضا اکیڈمی، ممبئی، انڈیا کی اس حوالے سے تیس سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس ادارے نے اپنے بانی و سربراہ محترم مولانا محمد سعید نوری رضوی زید مجدہٗ کی زیر پرستی مختلف جہات میں پیش قدمی کر کے اہلِ سنت و جماعت کا سر فخر سے بلند کردیا۔ راقم نے جب رضا اکیڈمی کی تیس سالہ کارکردگی کا ایک تجزیاتی مطالعہ کیا تو انتہائی مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی کہ اس مختصر مدت میں اس ادارہ نے نہ صرف مذہبی و مسلکی لٹریچر کی اشاعت کے محاذ پر بلکہ سماجی، رفاہی، فلاحی اور صحافتی میدان میں بھی قابلِ قدر فتوحات حاصل کی ہیں جن کا دائرہ روز افزوں ہے اور جس کی مختصر روداد درج ذیل ہے۔

۱۔ رضویات کے حوالے سے اشاعتی کارنامے:

۱۔ ۱۹۸۰ء میں اعلیٰ حضرت کا رسالہ تمہید الایمان ۲۵ ہزار کی تعداد میں شائع کرواکر مفت تقسیم کیا گیا۔

۲۔ اسی سال عرسِ رضوی کے موقع پر اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' پانچ ہزار کی تعداد میں شائع کرواکر مفت تقسیم کیا گیا۔

۳۔ ۱۹۸۵ء سنّی رضوی کلینڈر کا اجراء کیا گیا جو اپنی امتیازی خوبیوں کی بناء پر تقریباً ۳ لاکھ کی تعداد میں آج تک شائع ہو رہا ہے۔

۴۔ ۱۹۸۹ء میں ''کنزالایمان'' کا انگریزی ترجمہ کئی ہزار کی تعداد میں شائع کرواکر انگریزی داں طبقے تک پہنچایا گیا۔

۵۔ ۱۹۹۲ء میں خلیفہ و جانشینِ اعلیٰ حضرت سیدی و مولائی و مرشدی حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری رضوی بریلوی قدس سرہ العزیز کے صد سالہ جشنِ ولادت کے موقع پر ایک انٹرنیشنل سیمینار منعقد کیا گیا جس میں برصغیر پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے علماء و اسکالرز نے حضور مفتی اعظم کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں پر مقالات پڑھے اور تقاریر کیں جبکہ معروف شعراء کرام نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

۶۔ ۱۹۹۰ء میں ہندوستان حجاج کرام کی ممبئی واپسی پر بیس ہزار کی تعداد میں قرآن کریم کا ترجمہ کنزالایمان بطور تحفہ ان میں تقسیم کیا گیا۔

۷۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ۷۵ویں عرس کے موقع پر رضا اکیڈمی نے دو اہم اشاعتی کام سرانجام دیے۔ ایک، فتاویٰ رضویہ (قدیم) کی ۱۲ جلدوں کا سیٹ کا ہزاروں کی تعداد میں اشاعت، دوسرا، ۷۵ویں عرس کی مناسبت سے اعلیٰ حضرت کے ۷۵ نایاب رسائل کی ہزاروں کی تعداد میں اشاعت، مزید برآں یہ کہ فتاویٰ رضویہ اور رسائل کی نہایت رعایتی داموں ترسیل اور رسائلِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت کا سلسلہ ہر سال عرسِ رضوی پر جاری ہے۔

۸۔ ۲۰۰۶ء میں ''بہارِ شریعت'' مصنفہ علامہ مولانا مفتی امجد اعلی اعظمی (خلیفہ اعلیٰ حضرت) علیہما الرحمۃ کی سینکڑوں کی تعداد میں اشاعت اور اس کی مفت تقسیم۔

۹۔ گذشتہ دو برسوں سے ہر سال عرسِ رضوی کے موقع پر فتاویٰ رضویہ (قدیم۔ مکمل ۱۲ جلدوں) کی اشاعت اور ۱۲۰۰ روپے رعایتی ہدیہ پر فی سیٹ کی ترسیل۔

۱۰۔ ۵۰ ضخیم کتب کا سیٹ ہر سال عرسِ رضوی کے موقع پر زائرین

کے لیے صرف ۲۵/ ۲۵ روپوں میں دیا جارہا ہے۔ ۲۰۰۸ء تک اکیڈمی کی طرف سے شائع شدہ کتب کی تعداد چھ سو تک پہنچ چکی ہے جو کساد بازاری کے اس دور میں ایک علمی و اشاعتی و فلاحی ادارہ کی طرف سے فروغِ علمِ نافع کے سلسلہ میں ایک بڑی باہمت کاوش ہے۔ (اللھم تقبل منھم۔ آمین)

۱۱۔ فتاویٰ رضویہ کی اشاعت اور نہایت رعایتی ہدیہ پر ان کی ترسیل کے علاوہ بعض نہایت اہم اور تحقیقی مقالات کے یادگار مجموعے بھی رضا اکیڈمی نے شایع کیے ہیں۔ ان میں سب سے اہم مجموعۂ مقالات ''جہانِ مفتیٔ اعظم'' (۲۰۰۷ء) ہے جو ملک و بیرونِ ملک کے ۱۱۲ جید علماء، دانشوران اور اسکالرز حضرات کے مقالات، ۴۰ نامور شعراء کرام کی منظومات (مناقب) اور بیسیوں نوادرات پر مشتمل ۱۱۷۶ صفحات کی ایک یادگار تالیف ہے۔

سیدی مرشدی حضور مفتیٔ اعظم علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری رضوی قدس اللہ سرہ العزیز کی حیات اور کارناموں کے حوالے سے ابھی تک ایسی یادگار اور تاریخی و تحقیقی تالیفِ مبارکہ منصۂ شہود پر نہیں آئی ہے۔ متعلقاتِ رضویات کے حوالے سے ایسی معرکۃ الآراء کتاب کی اشاعت پر اس کے مرتبینِ کرام علامہ مولانا محمد احمد مصباحی، علامہ عبدالمبین نعمانی، علامہ مقبول احمد سالک مصباحی اور اس کے محرکین و جملہ معاونین بالخصوص الحاج محمد سعید نوری حفظہم اللہ الباری تمام اہلِ سنت خاص کر اہلِ علم حضرات کی طرف سے تحسین و آفرین کے مستحق ہیں۔

۱۲۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی تصانیف کی اشاعت کے علاوہ علماء اہلِ سنت بالخصوص سیدی مرشدی حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کی تصانیف کی مسلسل اشاعت بھی رضا اکیڈمی، ممبئی کا ایک طرۂ امتیاز ہے۔

۱۳۔ عرسِ رضوی (۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ/ ۴ رمارچ ۲۰۰۸ء) کے موقع پر بھی رضا اکیڈمی نے حسبِ روایت کم و بیش پچاس دینی کتب کی اشاعت کی جو نہایت ہی رعایتی قیمت پر زائرینِ مزارِ اعلیٰ حضرت کو پیش کی گئیں۔ ان میں سے ایک اہم کتاب ''الذنب فی القرآن'' ہے جو سورۂ فتح کی ایک آیت لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر کی تفسیر میں ایک نادر اور جامع علمی و تحقیقی بحث پر مبنی ہے۔ اس کے مصنف کراچی، پاکستان کے ایک نامور محقق اور فقیہہ حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی ہیں۔ اس کی اول اشاعت دسمبر ۲۰۰۶ء کراچی کی ہے۔ اصل کتاب ۱۷۷ صفحات پر مشتمل ہے، ہندوستان کے جید علماء نے اس کتاب کو سراہا ہے۔ بقول علامہ محمد حنیف خاں رضوی، مرتب جامع الاحادیث، بحر العلوم عبد المنان اعظمی، علامہ مفتی مطیع الرحمٰن اور دیگر جید علماء محترم القام نے اس کتاب کو نفسِ موضوع پر ایک لاجواب تصنیف قرار دیا ہے جو علما و طلبا دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ترجمہ آیۂ ''مغفرت ذنب'' (کنزالایمان) کی تائید اور اس کے مخالفین کے رد میں اس سے بہتر دلائل کہیں یکجا نہیں مل سکیں گے۔ مخالفین و معاندینِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ آج تک اس کتاب میں بیان کردہ دلائل کا کوئی ردّ پیش کر سکے ہیں نہ ان شاء اللہ قیامت تک پیش کر سکیں گے۔

۲۔ درسی کتب کی اشاعت:

رضا اکیڈمی نے بعض درسی کتب کی بھی اشاعت کی ہے۔ مثلاً ۱۹۹۱ء میں بخاری شریف (مع حواشی) کا وہ نسخہ جو مدارسِ اسلامی میں پڑھایا جاتا ہے، شایع کر کے سینکڑوں کی تعداد میں معروف مدارسِ اہلِ سنت کو تحفتاً پیش کیا گیا جو ایک قابلِ ستائش قدم ہے۔

۳۔ تعریفی اسناد اور امام احمد رضا ایوارڈ کا اجرا:

رضا اکیڈمی، ممبئی کی ایک خصوصیت شروع سے یہ بھی رہی ہے کہ وہ محققین علماء و اسکالرز کی بالخصوص ''رضویات'' کے حوالے سے کام کرنے والوں کی پذیرائی کرتی ہے۔ چنانچہ ۱۹۹۱ء سے تا حال، تحقیق و

تصنیف کے میدان میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والی جن محترم و مستند شخصیات کو تعریفی اسناد، امام احمد رضا ایوارڈ اور کیش ایوارڈ پیش کیا گیا ان میں ہندوستان کے مشاہیر علماء و محققین شامل ہیں جن میں علامہ یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی، شارحِ بخاری فقیہِ عصر علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ، علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم العالیہ، مفتی اعظم مہاراشٹر مفتی غلام محمد خان اور مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہما الرحمۃ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ جبکہ مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہٗ کو ان کی علمی و تحقیقی اور تدریسی خدمات کے اعتراف میں چاندی سے تولنے کا شرف بھی رضا اکیڈمی (ممبئی) نے حاصل کیا۔

۴۔ مسلمانانِ ہند کے لیے رفاہی وفلاحی خدمات:

اراکین و معاونینِ رضا اکیڈمی (ممبئی) علمی، تحقیقی و اشاعتی وظائف کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ جذبۂ ایمانی اور جذبۂ حب الوطنی کے تحت گاہے بگاہے (وقتِ ضرورت) مسلمانانِ ہند کے لیے فلاحی خدمات بھی انجام دینے کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح اکیڈمی کے وظائف اور خدمات کا دائرہ خاصا وسیع اور متنوع ہے۔ اس کی تفصیل تو بہت ہے جس کہ یہ صفحات متحمل نہیں ہوسکتے مگر اختصاراً چند خدمات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

☆ ۱۹۸۴ء میں اور پھر بابری مسجد کی شہادت کے بعد جب ممبئی کے بعض مضافات میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تو رضا اکیڈمی کے سرپرست محترم الحاج مولانا محمد سعید نوری حفظہ اللہ الباری اور اراکین و متعلقین نے ہزاروں روپے کی اشیاءِ ضرورت خرید کر بنفسِ نفیس متاثرین مسلمانوں میں تقسیم کیں اور دہشت گرد جنونی ہندو گروپ کی طرف سے مسلمانوں کا قتلِ عام رکوانے اور فساد زدہ علاقوں میں امن و اماں قائم رکھنے کے لیے ان حضرات نے اپنی جانوں پر کھیل کر جراتمندانہ جدوجہد کی۔ اسی طرح گجرات کے فسادات کے موقع پر رضا اکیڈمی کے رضا کاروں نے جرات وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مظلوم اور بے سروسامان مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

☆ جولائی ۲۰۰۵ء میں ممبئی میں قیامت خیز بارش نے تباہی مچادی تھی۔ پورا شہر سیلابی پانی میں غرق ہو چکا تھا۔ تمام ذرائع نقل وحمل، سڑکیں، ریلوے لائنیں، ٹیلیفون لائنیں، بجلی، سب تہس نہس ہو چکے تھے۔ ہزاروں زندگیاں سمندر کی نذر اور اربوں کی جائیدادیں تباہ و برباد ہوچکی تھیں۔ ایسے جان لیوا حالات میں جب کہ کوئی حکومتی ادارہ بھی خانماں برباد افراد تک ضروریاتِ زندگی پہنچانے کی ہمت نہ کرسکا، رضا اکیڈمی کے جیالوں اور معاونین نے سب سے پہلا امدادی کیمپ لگایا اور ضروری سامان کی ترسیل کی اور اس دور میں لاکھوں لاکھ روپے صرف کیے۔

☆ ۱۹۹۶ء میں جب ہندوستان کی ایک ہندو دہشت گرد تنظیم کے سربراہ دشمنِ اسلام، گستاخ رسول ﷺ معلون بال ٹھاکرے نے اپنے اخبار روزنامہ "سامنا" میں سید عالم، شہنشاہِ کون ومکان ﷺ کی ارفع و اعلیٰ شان کے حضور گستاخانہ کلمات شائع کیے تو اس وقت بھی الحاج مولانا محمد سعید نوری زید مجدہٗ کی غیرتِ ایمانی نے انہیں بے تاب کردیا اور آپ نے اور آپ کے غیور ساتھیوں نے رضا اکیڈمی کے بینر تلے پورے ہندوستان میں ملک گیر احتجاج کی لہر دوڑادی جس کے نتیجے میں مذکورہ اخبار کے مصنف کو تمام مسلمانوں سے معافی مانگنی پڑی۔

☆ اسی طرح ۱۹۹۰ء میں جب امریکی سامراج نے عراق پر جارحیت کی تو رضا اکیڈمی، ممبئی نے امریکہ سامراج کے خلاف جگہ جگہ شدید احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا جس کی بناء پر ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمانوں کے احتجاجی مظاہرے شروع ہوگئے۔ نتیجتاً ایک لاکھ سے زیادہ رضا کاروں نے رضا اکیڈمی کے پرچم عراق جانے اور

وہاں مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ دینے کی پیش کی اور امریکہ عراق جنگ کے دوران نہایت خطرناک اور نامساعد حالات کے باوجود عراق کے مظلومین کی دادرسی کے طور پر نہ جانے کن کن راستوں سے گذر کر ممبئی سے بغداد شریف تک روزمرہ ضروریات کا سامان پہنچانے کا اہتمام کیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مذکورہ بالا تمام جدوجہد کا ایک صحافتی اور میڈیائی پہلو بھی ہے۔ وہ یہ کہ رضا اکیڈمی کو ملک اور بیرونِ ملک کی تمام معروف اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا نے کوریج دی۔ پاکستان کے بھی بعض بڑے اردو اور انگریزی اخبارات نے ان جلسہ وجلوس کی خبروں کی اشاعت کی اور تصویریں شائع کیں۔ اسی طرح رضا اکیڈمی (ممبئی) کا قومی اور بین الاقوامی میڈیا پر تعارف بطور ایک فعال مسلم سماجی، سیاسی و دینی انجمن کے ہوا جو اہلِ سنت وجماعت (ہند) کے لیے ایک فالِ نیک ثابت ہوا۔

☆ ماضی قریب میں جب گستاخِ رسول رشدی (جسے راقم انگریزی میں رش ڈائی [Rush Dy] یعنی ہلاکت کی طرف تیزی سے دوڑنے والا کہتا ہے) کو کھوسٹ اور سٹھیائی ہوئی برطانوی ملکہ کی طرف سے سَر (SIR) کا خطاب دیا گیا۔ پھر اس کے بعد ہی ڈنمارک کے بعض اخبارات میں سیدِ عالم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخانہ کارٹون کی اشاعت کی گئی تو ان سب موقعوں پر حضرت سعید نوری حفظہ اللہ الباری نے رضا اکیڈمی کے پلیٹ فارم سے مسلمانانِ ہند کی غیرتِ ایمانی کو للکارا کہ اب بھی بیدار ہو جاؤ اور مسلمانوں کے کھلے ہوئے دشمنوں اور اپنے اندر چھپے ہوئے منافقوں اور شاتمانِ رسول ﷺ کو پہچانو اور ان کے خلاف سراپا احتجاج بن جاؤ اور دنیا کو جتادو اور دکھادو کہ مسلمان اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی عزت وحرمت پر مٹ تو سکتا ہے لیکن ان کی شانِ عالی میں ادنیٰ سی موہوم گستاخی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ہندوستان میں تقریباً ہر اس شہر میں جہاں مسلمان آباد ہیں، احتجاجی مظاہرے ہوئے، لاکھوں لاکھ مسلمانوں نے پُر جوش طریقے سے اس میں شرکت کی۔ خود ممبئی میں الحاج محمد سعید نوری المحترم کی قیادت میں ایک لاکھ رضا کاروں نے شرکت کی جس میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کے فلک شگاف نعرے لگائے گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ اس ایمان افروز منظر کو تمام دنیا نے ٹی وی اسکرین پر دیکھا۔

۵۔ اعلیٰ حضرت ڈاک ٹکٹ کا اجرا اور اجمیر شریف تا بریلی شریف اعلیٰ حضرت ایکسپریس ٹرین کا افتتاح:

رضا اکیڈمی (ممبئی) کا ایک تاریخ ساز کارنامہ جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ رضا اکیڈمی کے ایک وفد نے الحاج محمد سعید نوری حفظہ اللہ الباری کی قیادت میں ہندوستان کے اس وقت کے وزیرِ اعظم مسٹر راجیو گاندھی اور پھر ان کے بعد مسٹر وی پی سنگھ سے مل کر انہیں سمجھایا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری حنفی محدثِ بریلی علیہ الرحمۃ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت کی ایک بڑی متبرک اور قد آور شخصیت گزرے ہیں اور آج پانچ پشتیں گزر جانے کے بعد بھی بریلی شریف میں ان کا مزار پاک، ان کی خانقاہِ عالیہ اور ان کا قائم کردہ دارالعلوم منظرِ اسلام ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کا مرکزِ عقیدت ہے اور یہ کہ اجمیر شریف میں خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے عرس کے بعد سب سے بڑا اجتماع بریلی شریف میں عرسِ اعلیٰ حضرت پر ہوتا ہے، لہٰذا ہندوستان کے مسلمانوں کے اس سب سے بڑے امام (لیڈر) کی یاد میں ایک یادگاری ٹکٹ جاری ہونا چاہیے اور اجمیر شریف اور بریلی شریف کے درمیان ایک ٹرین اعلیٰ حضرت ایکسپریس کے نام سے چلنی چاہیے۔ یہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دل کی آواز ہے۔ اس مطالبہ کی تکمیل سے ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کے دلوں میں آپ کی حکومت کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا جس سے آپ کی پارٹی کے لیے

اچھے سیاسی نتائج مرتب ہوں گے۔ الحمدللہ یہ دونوں مطالبات بعد میں حکومتِ وقت نے تسلیم کر لیے اور اعلیٰ حضرت ڈاک ٹکٹ کا بھی اجراء ہوا اور اعلیٰ حضرت ایکسپریس بریلی شریف اور اجمیر شریف کے درمیان آج تک رواں دواں ہے۔ یہ عجب حسنِ اتفاق ہے کہ شمالی ہند، بنگال، بہار، یوپی، مدھیا پردیش، اڑیسہ وغیرہ سے جتنے زائرین عرسِ خواجہ میں شرکت کے لیے اجمیر شریف کا بسوں کے ذریعہ سفر کرتے ہیں، وہ پہلے بریلی شریف میں رکتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے مزار پر حاضری دے کر دوسرے دن اجمیر شریف کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور واپسی پر بھی مزارِ اعلیٰ حضرت پر حاضری دے کر جاتے ہیں۔ لہٰذا ماہِ رجب میں بھی بریلی شریف میں عرس کا سا سماں ہوتا ہے چونکہ لاکھوں کی تعداد میں زائرین اجمیر شریف کے لیے یہاں سے گزرتے ہیں اور گھروں کو واپس ہوتے ہوئے رکتے ہیں۔ اور اب ٹرین سے اجمیر شریف حاضری دینے والے بریلی ریلوے اسٹیشن سے اعلیٰ حضرت ایکسپریس میں بیٹھ کر آسانی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔

۵۔ رضا اکیڈمی میدانِ صحافت میں:

رضا اکیڈمی (ممبئی) کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہندوستان کی سطح پر مسلکِ اعلیٰ حضرت بالخصوص اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کی شخصیت اور کارناموں کو دنیائے صحافت میں متعارف کرانے میں اولیت حاصل کی ہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں ہر سال عرسِ رضوی اور عرسِ مفتیٔ اعظم کے موقع پر ہندوستان کے معروف اردو و ہندی اخبارات (اور بعض دفعہ انگریزی اخبارات) میں برصغیر پاک و ہند کے جید علماء و محققین رضویات کے مضامین و مقالات پر مشتمل خصوصی نمبر شائع کرواتے ہیں۔ سال روان ۲۰۰۸ء میں عرسِ رضوی پر ہفت روزہ ''سہارا'' اخبار کا ایک خصوصی اعلیٰ حضرت نمبر شائع ہوا جس نے گذشتہ برسوں کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ یہ خصوصی ایڈیشن سو سے زائد اخباری صفحات پر مشتمل ہے اور برصغیر پاک و ہند، مصر و عراق کے مستند، نامور اہلِ قلم، محققین، علماء، دانشوران اور جامعات کے اسکالرز کے مقالوں سے مزین ہے۔ اس اعتبار سے یہ رضویات پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر نشین ''جہانِ رضا'' اور مرکزی مجلسِ رضا'' (لاہور) کے روحِ رواں حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ العالی نے پاکستان کے اہلِ سنت پر بالعموم اور علمائے رضویات پر بالخصوص یہ احسان کیا ہے کہ وہ اس پورے ضمیمہ کو ''خیابانِ رضا'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ فجز اھم اللہ احسن الجزاء۔

رضا اکیڈمی ''یادگارِ رضا'' کے نام سے ایک دینی، علمی، ادبی و اصلاحی سالانہ مجلّہ بھی شائع کرتی ہے جو غالباً گذشتہ ۷، ۸ برسوں سے ہر سال تواتر سے شائع ہو رہا ہے۔ راقم کے سامنے یادگارِ رضا ۲۰۰۸ء کا سالانہ شمارہ ہے لیکن اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ کون سا شمارہ ہے۔ جس سے قاری کو پتہ چل جاتا کہ اب تک کتنے شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اگر رضا اکیڈمی ان تمام اخباری مضامین و مقالات کو تاریخ وار ترتیب اور اخبارات کے نام و پتہ کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کرے تو امام احمد رضا پر صحافت کے حوالے سے پی. ایچ. ڈی کرنے والوں کے لیے یہ ایک بڑا ماخذ بن سکتا ہے۔

۶۔ رضا اکیڈمی کے افق پر آسمانِ علم و تحقیق اور ادب و فن کے تابندہ ستاروں کا جھرمٹ:

رضا اکیڈمی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ شروع دن سے ہندوستان کے جید علماء و محققین اور جامعات کے اساتذۂ کرام بالخصوص رضویات اور متعلقاتِ رضویات کے ریسرچ اسکالرز سے ان کا رابطہ ہے اور یہ رابطہ روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے، اس وقت رضا اکیڈمی کے پینل پر جتنے اہلِ علم و قلم موجود ہیں، اس کے چوتھائی بھی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے نشر و اشاعت اور تحقیق و تصنیف کا کام کرنے والے

برصغیر کے کسی دوسرے ادارے کے پینل پر نہیں تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔
اس کے چند عوامل نظر آتے ہیں:

۱۔ ابتدائی چند برسوں میں رضا اکیڈمی کی اپنی ترقی پذیر کارکردگی اور رضویات و متعلقاتِ رضویات کے حوالے سے اہلِ علم و دانش تک روانی و فراوانی کے ساتھ مواد و مآخذ اور مطبوعات کی فراہمی۔

۲۔ محترم الحاج محمد سعید نوری و سرپرست و بانی رضا اکیڈمی اور ان کے ساتھیوں کا اخلاص فی اللہ کے ساتھ کارِ رضا سے شغف اور نشر و اشاعت کے محاذ پر ان کی کامیاب پیش رفت۔

۳۔ حضرتِ نوری کا علماء، صاحبانِ تحقیق اور جامعات کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز تک باحترام و محبت تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدقیق کی ''دعوت الی الخیر''۔

۴۔ مدعو صاحبانِ ذی وقار کی اکثریت کا اسی جذبۂ عقیدت و محبت اور خلوص سے لبیک کہنا۔ بعض عشاقانِ رضا کا رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر از خود اپنی خدماتِ علمِ نافع کے ابلاغ و تشہیر کے لیے پیش کرنا۔

۵۔ ''ابناء اشرفیہ'' کا رضا اکیڈمی سے بھرپور اور غیر مشروط علمی اور قلمی تعاون اور ان کی بالتسلسل سرپرستی۔

ہم ان تمام صاحبانِ ذی شان اہلِ علم و تحقیق کو بالعموم اور برادر عزیز رفیقِ علم حقیقی، ناشر رضویات محترم و مکرم الحاج محمد سعید احمد نوری صاحب کو بالخصوص مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فی زمانہ اہلِ سنت و جماعت کے اداروں کے لیے ایثار و خلوص کی ایک ایسی زندہ جاوید مثال قائم کی جو دوسروں کے لیے تحریک کا باعث ثابت ہوئی اور رضا اکیڈمی کی پیروی میں نہ جانے کتنے ادارے فعال ہو گئے۔

غرض کہ رضا اکیڈمی، ممبئی آج ہندوستان کی سرزمین پر اہلِ سنت کا ایک فعال ترین مذہبی، مسلکی، قومی و رفاہی اور اشاعتی ادارہ ہے جو نہایت اخلاص و استقلال کے ساتھ گذشتہ ۳۰ برسوں سے مسلسل صالح اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور اس کی ترسیل میں معروف کار ہے اور ایک تخمینہ کے مطابق اس عرصہ میں (۱۹۶۸ء تا حال) چھ سو سے زیادہ کتب و رسائلِ رضویات، متعلقاتِ رضویات اور دیگر اصلاحی، علمی و تحقیقی عنوانات پر لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے ملکی بیرونی حلقۂ اہلِ دانش و بینش اور نامور اہلِ علم و فکر سے سندِ اعتماد و اعتبار حاصل کر چکی ہے۔ نیز جب بھی قومی یا بین الاقوامی سطح پر اسلام، اہلِ اسلام، پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، قرآن مجید فرقانِ حمید یا عامۃ المسلمین کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو اسیرِ مفتی اعظم اور گرفتارِ عشقِ رضا و غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فدائے مصطفیٰ خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولانا الحاج محمد سعید نوری مدظلہ العالی نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے تتبع میں کہ

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرہ تیرا

سب سے پہلے اس کے خلاف آوازۂ حق بلند کیا ہے اور اہلِ سنت کی شناخت برقرار رکھتے ہوئے ملت کے دفاع میں پیش پیش رہے ہیں۔ وقت اور قرطاس کی تنگ دامانی آڑے آتی ہے اس لیے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے یہ ضرور عرض کروں گا کہ رضا اکیڈمی ممبئی کے اراکین و معاونین اور وابستگان خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قیادت ایک ایسی شخص کے ہاتھوں میں رہی ہے جو بجا طور اقبال کے مثالی ''مردِ مومن'' کی ''ضربتِ غازیانہ'' کا حامل ہے اس لیے وہ ان کی قدر کریں اور ان کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الحاج محمد سعید نوری حفظہ اللہ الباری کو صحت و عافیت کے ساتھ عمرِ طویل عطا فرمائے اور ان کے زیرِ نگرانی چلنے والے ادارہ رضا اکیڈمی، ممبئی کو روز افزوں ترقی کے ساتھ تا صبحِ قیامت قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تفسیر رضوی

معارف قرآن
من افاضات امام احمد رضا

سورۃ البقرۃ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

گذشتہ سے پیوستہ

قسم چہارم: طواف بھی مقصود لذاتہٖ ہو اور غرض و غایت بھی تعظیم، یعنی نہ طواف کسی اور فعل کے لئے وسیلہ ہو، نہ اس سے سوائے تعظیم کچھ مقصود بلکہ نفس طواف سے محض تعظیم مقصود ہو، اسی کا نام طواف تعظیمی ہے، جیسے طواف کعبہ یا طواف صفا و مروہ، پھر اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کئے گئے ہیں تین نوع ہیں۔ ایک وہ کہ تعظیم میں منحصر ہیں، اور دوسرے وہ کہ وسیلہ و مقصود ادونوں طرح پائے جاتے ہیں اور ان کی غایت تعظیم میں منحصر نہیں مگر بحال قصد تعظیم نوع اول سے قریب ہیں، جیسے رکوع تک انحنا کہ بلا تعظیم بھی ہوتا ہے بلکہ بقصد توہین بھی، جیسے کسی کے مارنے کے لیے اینٹ وغیرہ اٹھانے کو جھکنا، اور تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے مگر نہ خود مقصود بلکہ وسیلہ جیسے علما و صلحا کی قدم بوسی وغیرہ خدمات کو جھکنا، اور بذاتہٖ مقصود بھی ہوتا ہے، جیسے سلام کرنے میں رکوع تک جھکنا۔ تیسرے وہ کہ نوع اول سے بعید ہیں جیسے قیام یا قعود یا رکوع سے کم جھکنا، ظاہر ہے کہ ان میں بھی نوع دوم کی طرح قصد و توسل و غایت مختلفہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

انواع ثلثہ میں حکم عام تو یہ ہے کہ اگر بہ نیت عبادت غیر ہے تو کچھ بھی ہو مطلقاً شرک و کفر ہے، اور بے نیت عبادت ہرگز شرک و کفر نہیں اگر چہ سجدہ ہی ہو جب تک کہ وہ فعل مخصوصہ شعار کفر نہ ہو گیا ہو۔ جیسے بت یا آفتاب کو سجدہ۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور جب عبادت غیر کی نیت نہ ہو تو ان میں فرق احکام یہ ہے کہ نوع اوّل غیر خدا کے لئے مطلقاً ناجائز، اور نوع دوم اس وقت ممنوع ہے جب کہ مقصود اسی کو بہ نیت تعظیم بجالایا جائے اور نوع سوم مطلقاً جائز ہے اگر چہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔ (فتاویٰ رضویہ۔ قدیم ۹/۲۔ ۷۸ تا ۸۱)

لَا بَأْسَ بِهٖ۔ اور لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ کے کلمات دفع وہم کے لیے بھی آجاتے ہیں اگر چہ وہ کام سنت بلکہ واجب بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔''

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی خالہ ام المومنین محبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق (اللہ تعالیٰ ان کے مبارک خاندان، ان کے والد گرامی، خود ان کی ذات پر رحمت وسلام نازل فرمائے) سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا۔ اللہ کی قسم صفا و مروہ کا طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں، تو ام المومنین نے فرمایا: اے بھتیجے تو نے بہتر قول نہیں کہا۔ اگر اس کا معنی یہی ہوتا جو تو نے کیا ہے تو اس کے الفاظ یوں ہوتے۔ نہیں گناہ اس پر اگر وہ ان کا طواف نہ کرے۔ لیکن یہ تو انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے پہلے مقام مشلل میں ''مناۃ'' کی عبادت کیا کرتے تھے، تو ان میں سے جو شخص حج کے لئے آتا وہ صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتا، جب انصار اسلام لائے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ: صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ (الآیۃ) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان طواف کو سنت قرار دیا۔ تو اب کوئی ان کے طواف کو ترک نہیں کرسکتا۔

دیکھا ام المومنین نے نفی حرج کو دفع توہم پر چسپاں کرتے

ہوئے حضرت عروہ کے وہم کو واضح دلیل سے رد کر دیا اور کہا اگر معاملہ ایسے ہوتا تو الفاظ یہ ہوتے۔ نہیں گناہ اس پر کہ ان دونوں کا طواف نہ کرے۔ ان کا طواف کرے۔ کے الفاظ نہ ہوتے یعنی وجوب کے منافی، ترک سے حرج کی نفی ہے، فعل سے حرج کی نفی منافی نہیں۔ فعل تو خود لازم واجب ہے۔ کیونکہ ترک واجب میں حرج ہے اور اس میں ثبوت حرج اس بات کو مستلزم ہے کہ اس فعل کی نفی ہو اور کسی لازم کا اثبات ملزوم کے ثبوت کے منافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مؤکد اور ثابت کرنے والا ہوتا ہے۔ اس مبارک معنی کو انھوں نے کتنے احسن اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ بات حضرت عروہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ھشام کے سامنے رکھی تو انھوں نے کہا علم یہی ہوتا ہے۔

اس آیت کے نزول کا سبب اہل علم نے ایک اور بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا، مگر صفا و مروہ کے طواف کا ذکر نہ کیا تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم صفا و مروہ کا طواف کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا و مروہ کا ذکر نہیں کیا تو کیا ہمارا صفا و مروہ کا طواف کرنا صحیح نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بلاشبہ صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ابوبکر نے کہا اس آیت کو سنو جو دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ الخ

ردالمحتار میں احکام مسجد سے تھوڑا سا پہلے باب ''ما یکرہ فی الصلوٰۃ'' میں ہے یہ کہا گیا ہے اس مقام پر ''لاباس'' کا ذکر اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے کہ یہاں حرج ہے۔

ادراک الفریضہ کی ابتدا میں ہے ''لاباس'' کا کلمہ یہاں خلاف اولیٰ کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا یہ معنیٰ غیر یقینی ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات وجوب کا معنیٰ دیتا ہے اور باب العیدین میں بھی فرمایا ''لاباس'' کا کلمہ مندوب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بحر کے باب الجنائز اور باب الجہاد میں ہے اور مذکورہ مقام اس کے باب الجہاد سے ہے یہاں بھی فقہا نے جو طاق میں قیام کو مکروہ فرمایا تو اس سے وہم پیدا ہوا، شاید اس طرح کھڑا ہو کر سجدہ طاق میں کرنا بھی مکروہ ہے۔ لہٰذا اس کا لاباس کے ساتھ دفع کر دیا۔ (فتاویٰ رضویہ جدید ۳۲۸/۷ تا ۳۳۱)

(۱۷۳) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ☆

''اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا، تو جو ناچار ہو، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

﴿۲۶﴾ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''عندالتحقیق آیت کریمہ ''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' میں اہلال وقتِ ذبح مقصود۔ یعنی اس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے۔ اس معنی پر آیۂ کریمہ کو صورتِ مسئولہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نام غیر خدا پکار دینا ناروا رکھا۔ ان کے نزدیک بھی استمرار اسی کا تادم ذبح شرط حرمت ہے۔ استدلال شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث۔ مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ.

حوالہ جات وحواشی

۱۳۶۔ الجامع الصحیح للبخاری . باب وجوب الصفا الخ . ۱/ ۲۲۲)

۱۳۷۔ الجامع الصحیح للبخاری باب وجوب الصفا ۱/ ۲۲۳)

﴿جاری ہے﴾

معارف حدیث
من افاضات امام احمد رضا

۱۰۔ گناہِ صغیرہ و کبیرہ

گذشتہ سے پیوستہ

مرتبہ: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

۱۷۴. عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ.

فتاوی رضویه، ۹/۱۴۴

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی تصویر بنائے تو بیشک اللہ تعالیٰ اسے عذاب کریگا یہاں تک کہ اس میں روح پھونکے اور نہ پھونک سکے گا۔"

۱۷۵. عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَاُذُنَانِ يَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ، بِمَنْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ، وَبِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہونگی دیکھنے والی، اور دو کان سننے والے، ایک زبان کلام کرتی۔ وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلط کی گئیں ہوں۔ ایک جو اللہ کا شریک بتائے۔ دوسرا ہر ظالم ہٹ دھرم۔ تیسرا تصویر بنانے والا۔ فتاوی رضویہ، ۹/۱۴۴

۱۷۶. عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: اِنَّ اَشَدَّ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِيٌّ اَوْ اِمَامٌ جَائِرٌ وَهٰؤُلَآءِ الْمُصَوِّرُوْنَ.

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک روز قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا۔ یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل کیا، یا بادشاہ ظالم، یا ان تصویر بنانے والوں پر۔"

فتاویٰ رضویہ، ۹/۱۴۴

۱۷۷. عن عبد الله بن عباس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِيٌّ اَوْ رَجُلٌ يُضِلُّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَوْ مُصَوِّرٌ يُصَوِّرُ التَّمَاثِيْلَ.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس پر ہوگا جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل فرمایا۔ یا بادشاہ ظالم یا جو شخص بے علم حاصل کیے لوگوں کو بہکانے لگے اور تصویر ساز پر۔"

فتاوی رضویہ، ۹/۱۴۴

۱۷۸. عن عبد الله بن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسو ل الله صلی الله تعالی علیه وسلم: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِیًّا اَوْ قَتَلَهٗ نَبِیٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَیْهِ وَالْمُصَوِّرُوْ نَ وَعَالِمٌ لَمْ یَّنْتَفِعْ بِعِلْمِهٖ.

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ ہے جو کسی نبی کو شہید کرے یا کوئی نبی جہاد میں اسے قتل فرمائے۔ یا جو اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرے اور تصویر بنانے والے اور وہ عالم جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔''

فتاویٰ رضویہ ۹/۱۴۴

۱۷۹. عن اُم المؤمنین عائشة الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قدم رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم من سفر و سترت سهوة لی بقر ام فیه تماثیل، فلما رأه رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم تلون وجهه وقال یا عائشة! أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ.

''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے۔ میں نے دروازہ پر ایک تصویر دار پردہ لٹکا دیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا اور فرمایا: اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ان مصوروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں۔''

فتاویٰ رضویہ ۹/۱۴۴

حوالہ جات

۱۷۴. الجامع الصحیح للبخاری، اللباس، ۲/ ۸۸۱
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/ ۲۰۲
الجامع الصغیر للسیوطی، ۲/ ۵۳۳
☆ فتح الباری للعسقلانی، ۴/ ۴۱۶
☆ الترغیب والترهیب للمنذری ۳/ ۴۳۸
۱۷۶. المسند لا حمد بن حنبلؒ، ۱/ ۴۲۶
☆ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۰/ ۲۶۶
☆ مجمع الزوائد للهیثمی، ۵/ ۲۳۶
☆ حلیة الاولیاء لا بی نعیم، ۴/ ۱۲۲
☆ کنز العمال للمتقی، ۴۳۸۸۲
☆ جمع الجوامع للسیوطی، ۱۷۷۱۹۵
☆ کنز العمال للمتقی، ۹۳۶۶، ۴/ ۳۵
☆ مجمع الزوائد للهیثمی، ۱/ ۱۸۱
☆ التفسیر لا بن کثیر، ۱/ ۱۴۶
☆ الدر المنثور للسیوطی، ۱/ ۷۳
☆ المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۰/ ۲۶۰
۱۷۸. المسند للعقیلی، ۳/ ۱۲۴
☆ اتحاف السادة للزبیدی، ۱/ ۳۴۸
☆ کنز العمال للمتقی، ۲۹۰۹۹، ۱۰/ ۲۰۸
☆ لسان المیزان لا بن حجر، ۴/ ۳۶۴
۱۷۹. الجامع الصحیح للبخاری، اللباس، ۲/ ۸۸۰
☆ الصحیح لمسلم، اللباس، ۲/ ۲۰۱

﴿جاری ہے﴾

معارف القلوب

کتاب: احسن الوعاء لآداب الدعاء

خاتمہ: چند ترکیب نماز حاجت میں

گزشتہ سے پیوستہ

مصنف: رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمن

شارح: مجدد اعظم امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمن　محشی: مولانا مفتی محمد اسلم رضا قادری

اقول...... حدیث میں یا محمد ہے۔ مگر اس کی جگہ یارسول اللہ کہنا چاہیے کہ صحیح مذہب میں حضور اقدس ﷺ کو نام لے کر ندا کرنا ناجائز ہے۔ علما فرماتے ہیں، اگر روایت میں وارد ہو جب بھی تبدیل کرلیں۔ یہ مسئلہ ہمارے رسالہ ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' میں مفصل ومشرح مذکور ہے۔ ولہٰذا حضرت مصنف علام قدس سرہ نے یارسول اللہ فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثم اقول ...... اس دعا کے اوّل و آخر حمدالٰہی و درود رسالت پناہی صَلَوٰاتُ اللهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِ اور آمین پر ختم اور شروع میں اللہ تعالیٰ کو اسماے طیبہ سے ندا وغیر ذلک جو آدابِ دعا گزرے، ضرور بجالائے، اور یونہی تمام ترکیبات میں سمجھے۔ دابِ عام ہے[۴۸۵] کہ جن امور کی تفصیل اور کسی امر عام میں مطلقاً ان کی حاجت دوسری جگہ سے معلوم ہو، خاص معیّن میں ان کے ذکر کی حاجت نہیں سمجھی جاتی۔

ترکیب دوم ۲: نمیری و ابن بشکوال، وہیب بن ورد سے روایت کرتے ہیں۔ جو بندہ بارہ رکعت، ہر رکعت میں سورۃ الفاتحۃ و آیۃ الکرسی و سورۂ اخلاص پڑھے پھر سجدے میں یہ کلمات کہے۔

''سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ بِالْمَجْدِ وَتَكَرَّمَ بِهٖ ط سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا يَنْبَغِی التَّسْبِيْحُ اِلَّا لَهٗ ط سُبْحَانَ ذِی الْمَنِّ وَالْفَضْلِ ط سُبْحَانَ ذِی الْعِزِّ وَالْكَرَمِ ط سُبْحَانَ ذِی الطَّوْلِ وَالنِّعَمِ ط اَسْئَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ وَ مُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ وَبِاسْمِكَ الْعَظِيْمِ الْاَعْظَمِ وَجَدِّكَ الْاَعْلٰى وَ كَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ كُلِّهَا لَا يُجَاوِزُ هُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط) [۴۸۶]

پھر خداے تعالیٰ سے وہ سوال کرے جس میں گناہ نہیں۔

مثلاً کہے۔ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ. [۴۸۷] اور اس حاجت کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ روا فرمائے۔

وہب کہتے ہیں ہمیں پہنچا ہے کہ یہ ترکیب اپنے بیوقوفوں اور ابلہوں[۴۸۸] کو نہ سکھاؤ، کہ گناہوں پر دلیری نہ کریں۔

ترکیب سوم ۳: عبدالرزاق نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''جو شخص خدا سے کچھ حاجت رکھتا ہو، تنہا مکان میں باوضوے کامل چار رکعت پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ دس بار،[۴۸۹] دوسری میں بیس بار، تیسری میں تیس، چوتھی میں چالیس بار پڑھے۔ پھر پچاس بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور ستر مرتبہ لَا حَوْلَ پڑھے۔[۴۹۰] اگر اس پر قرض ہو، ادا ہو جائے اور جو وطن سے دور ہو، خدا تعالیٰ اسے گھر پہنچائے اور جو آسمان کے برابر گناہ رکھتا ہو، اور استغفار کرے خدا اس کے گناہ بخشے، اور جو اولاد نہ رکھتا ہو، خدا اسے اولاد دے اور جو دعا

کرے، خدا اس کی دعا قبول فرمائے، اور جو خدا سے دعا نہیں کرتا، خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔

عبداللہ فرماتے ہیں۔ اپنے احمقوں کو یہ دعا نہ سکھاؤ کہ اس سے نافرمانی پر اِستِعانت کریں گے۔[۴۹۱]

ترکیب چہارم ۴: امام احمد اپنی مسند میں ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں نے حضور سید عالم ﷺ کو فرماتے سنا۔ جو وضو کامل طور پر کرے۔ یعنی بمراعاتِ سنن وآداب۔[۴۹۲] پھر دو رکعتیں پورے طور پر پڑھے۔ یعنی باستِجماعِ سنن ومستحبات وحضورِ قلب،[۴۹۳] پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگے، عاجل یا آجل، اللہ تعالیٰ اسے عطا فرمائے۔

امام حافظ ابن حجر عسقلانی پھر امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ ''اس کی سند حسن ہے۔''

اقول......لفظ حدیث میں یوں ہے۔ اَعْطَاهُ اللهُ مَاسَاَلَ مُعَجَّلًا اَوْ مُؤَخَّرًا۔

اور اس کے دو معنی محتمل، ایک یہ کہ دنیا وآخرت کی جو چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے، اللہ عزوجل عطا فرمائے۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ مانگے، اللہ تعالیٰ عطا کرے، جلد یا دیر میں۔ لہٰذا فقیر نے ترجمہ بھی ایسے لفظوں سے کیا جو دونوں معنوں کو محتمل رہیں۔

ترکیب پنجم ۵: ترمذی ونسائی وابن خزیمہ وابن حبان وحاکم، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، کہ ان کی والدہ ام سُلَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دن صبح کو خدمت اقدس حضور سید المرسلین ﷺ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی حضور! مجھے کچھ ایسے کلمات تعلیم فرما دیں کہ میں اپنی نماز میں کہا کروں۔ ارشاد فرمایا، دس بار اَللهُ اَکْبَرُ ط دس بار سُبْحَانَ اللهِ ط دس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط کہ، پھر جو چاہے مانگ، اللہ عزوجل فرمائے گا، نَعَمْ نَعَمْ ''اچھا اچھا''

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ابن خزیمہ وابن حبان التزاماً فرماتے ہیں، صحیح ہے۔ حاکم نے کہا بر شرطِ احادیث صحیح ہے والحمد للہ رب العلمین۔

﴿حواشی وحوالہ جات﴾

[۴۸۵] یعنی یہ ایک عام قاعدہ اور لوگوں کا معمول ہے۔

[۴۸۶] پاک ہے وہ ذات کہ اسی کے لیے عزت کا لباس ہے اور جس نے عزت کے ساتھ کلام فرمایا، پاک ہے وہ ذات جس نے بزرگی کے ساتھ احسان فرمایا اور اسی کے ساتھ کرم فرمایا، پاک ہے وہ ذات جو اپنے علم کے ساتھ کائنات کی ساری اشیا کو گھیرے ہوئے ہے، پاک ہے وہ ذات کہ اس کے غیر کی حقیقی پاکی بیان کرنا زیب نہیں۔ پاکی ہے اسے کہ صاحب، فضل واحسان ہے، پاکی ہے اسے کہ صاحبِ عزت وکرم ہے، پاکی ہے اسے کہ صاحب قدرت وغنا اور انعام فرمانے والا ہے۔ الٰہی! میں تجھ سے تیرے عرش کی دائمی عزت کے وسیلے سے اور تیری کتاب یعنی قرانِ پاک جو کہ رحمت کا منتہیٰ ہے، اس کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں اور تیرے اسم اعظم اور تیری اعلیٰ بزرگی اور تیرے سب کلماتِ تامہ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ جن سے کوئی نیکوکار اور کوئی عصیاں شکار ذرہ برابر انحراف نہیں کرسکتا کہ تو اپنے محبوب محمد ﷺ پر درود بھیج۔

[۴۸۷] میری یہ حاجت برآئے۔

[۴۸۸] یعنی اپنے بے وقوفوں اور مکاروں کو نہ سکھاؤ۔

[۴۸۹] قل ھو اللہ احد سے مراد پوری سورۂ اخلاص ہے۔

[۴۹۰] یعنی لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[۴۹۱] یعنی نافرمانی پر مدد چاہیں گے۔

[۴۹۲] یعنی سنن وآدابِ وضو کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔

[۴۹۳] یعنی سنن ومستحبات اور حضور قلب، ان سب چیزوں کو جمع کرتے ہوئے۔

(جاری ہے....)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور مالیگاؤں: تعلقات و مراسم

غلام مصطفیٰ رضوی (مالیگاؤں) ☆

سعادت لوح و قلم، مسعودِ ملت، ماہرِ رضویات حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سرگرم شخصیت کے مالک تھے، وہ دین کی خدمت کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، اخلاصِ عمل، حسنِ اخلاق، وفا شعاری میں اسلاف کا نقش جمیل تھے، انھوں نے قلم کے ذریعے فکروں کو متاثر کیا، ذہنوں کی تطہیر کی، خامۂ سحر طراز، اثر انگیز اور صداقت شعار تھا۔ ۱۹۷۱ء میں عالم اسلام کی عظیم و بے مثال شخصیت مجدد اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) پر پہلی کتاب ''فاضل بریلوی اور ترکِ موالات'' لکھی جو مرکزی مجلس رضا لاہور سے شائع ہو کر علمی دنیا میں مقبول ہوئی، اس کتاب کی مقبولیت نے یہ ثابت کر دیا کہ نگاہیں امام احمد رضا کے افکار و خدمات کی متلاشی ہیں، یہ کتاب مجلس رضا کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی کی فرمایش پر لکھی گئی اور پھر مسعود ملت نے امام احمد رضا پر ریسرچ و تحقیق کو اپنا موضوع قرار دے دیا۔

انھوں نے محسوس کیا کہ امام احمد رضا کے ساتھ اربابِ علم نے بے اعتنائی برتی، ناانصافی کی، ان کی دینی خدمات اور علمی کارناموں کی قدر نہیں کی، حق کو چھپایا، مسعود ملت نے خالص علمی انداز میں امام احمد رضا پر کام کیا۔ سچائی کو واشگاف فرمایا، تنہا ایک انجمن اور اکیڈمی کا کام کیا، آپ کا وصال ملتِ اسلامیہ کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ ۲۸ راپریل ۲۰۰۸ء مطابق ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ کی شب میں آپ کا وصال ہوا جس سے علم و فن کی بزم سونی ہوگئی، ہر دل مضطرب ہو گیا، رہنے کو تو آپ کراچی میں رہتے تھے لیکن دل کی دنیا سے قریب تھے، اور یہ عشقِ رسول ﷺ کی نسبت کا ثمرہ ہے کہ آج جہاں جہاں ذکرِ رضا کی خوش بو پہنچ رہی ہے وہاں مسعود ملت کا چرچا ہے۔

صدائیں فضاؤں میں بکھر جاتی ہیں، تقریر کے اثرات مستقل باقی نہیں رہتے لیکن تحریر کے اثرات باقی رہتے ہیں، صالح تحریر فکروں اور ذہنوں کو مہکا دیتی ہے، مسعود ملت کی تحریر کا یہی حال ہے کہ علمی دنیا آپ کے مشک بار قلم اور تحقیقی اسلوب کا لوہا مانتی ہے، آپ نے امام احمد رضا پر مختلف جہتوں سے کام کیا، بلکہ سیکڑوں کام کرنے والے محقق و قلم کار تیار کیے، آپ کا علمی فیض جہاں ساری اسلامی دنیا میں عام ہوا وہیں مالیگاؤں کی سرزمین بھی مالا مال ہوئی، مالیگاؤں سے مسعود ملت کے تعلقات و مراسم کی کئی جہتیں ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ بعض باتیں تحریر کر دی جاتی ہیں۔

تعلقات کی جہتیں:

مرکزی مجلس رضا لاہور نے امام احمد رضا کی خدمات پر لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ علمی طرز پر شروع کیا، اس مجلس کی مطبوعات کو ساری دنیا کے اہلِ علم اور اربابِ دانش منگواتے، شہر عزیز سے محمد میاں مالیگ اور مولانا نیاز احمد مالیگ مجلس کی کتابیں منگوایا کرتے تھے، مجلس نے چوں کہ مسعود ملت کی کتابیں بہ طورِ خاص شائع کی تھیں اس لیے مالیگاؤں میں آپ کی کتابیں بھی پہنچیں اور آپ کی علمی جلالت کا شہرہ یہاں کے خواص میں ہوا، جب ۱۹۷۶ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور، کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۷۸ء میں رضا اکیڈمی، ممبئی کا، ان اداروں نے مسعود ملت کی متعدد کتابیں امام احمد رضا علیہا الرحمۃ پر شائع کیں وہ کتابیں مالیگاؤں بھی پہنچیں، اس طرح یہاں کے اہلِ علم مسعود ملت کے خامۂ زرنگار کے اسیر بنتے چلے گئے اور آپ کی کتابوں کی جستجو میں لگے رہتے کہ کب کوئی تحریر ہاتھ آجائے۔ مسعود ملت کا اسلوبِ نگارش دلوں میں گھر کرتا چلا گیا، بوجھل طبیعتیں کھلنے

☆ نوری مشن، مالیگاؤں، انڈیا

لگیں، غلط فہمی کے شکار افراد اصلاح پر مائل ہوئے، قبول حق کا جذبہ پروان چڑھا۔

مسعود ملت ۳۵ رسال تک امام احمد رضا پر تحقیق کرتے رہے اور اخیر عمر تک امام احمد رضا پر لکھنے والوں کی رہ نمائی کرتے رہے، رضویات کو مستقل فن کی حیثیت دی، آپ کی تحریر کے اثرات مالیگاؤں میں بھی محسوس کیے جاتے ہیں، ساری دنیا کے محققین نے آپ سے رجوع کیا، امام احمد رضا پر ڈاکٹریٹ اور ایم۔فل کرنے والوں کی بے لوث رہ نمائی کی، تحقیق کے سلسلے میں مالیگاؤں کے جمشید رضوی نے رابطہ کیا تو ان کے نام ۱۶ ارمئی ۱۹۹۴ء کو ایک خط لکھا جو رہ نمایانہ طرز کا ہے اور حوصلہ افزا بھی، غالباً یہ یہاں سے پہلی مراسلت تھی جس کا شرف جمشید رضوی کو حاصل ہوا۔

تہنیتی مکتوب:

۱۰ ارجنوری ۲۰۰۳ء کو جامعۃ الرضا برکات العلوم کا تعلیمی افتتاح عمل میں آیا، اس سلسلے میں راقم کے توسط سے برادرم حافظ شکیل احمد رضوی اور محمد افضل برکاتی نے مسعود ملت کو جامعہ کے قیام اور تاسیس کی تفصیلات لکھ بھیجیں، جس پر مسعود ملت بہت مسرور ہوئے اور تہنیت نامہ ارسال فرمایا، جامعۃ الرضا برکات العلوم کے ارکان کے نام خلوص بھرا خط ملاحظہ فرمائیں:

''جامعۃ الرضا برکات العلوم کے جشن تاسیس کا دعوت نامہ نظر نواز ہوا، بے حد مسرت ہوئی، مولیٰ تعالیٰ اس سرچشمۂ علم و دانش کو جاری و ساری رکھے۔ آمین! یاد آوری اور کرم فرمائی کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ فقیر کی دعائیں آپ حضرات کے ساتھ ہیں، فقیر کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام......احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ''۔

(مکتوب محررہ ۱۲ رفروری ۲۰۰۳ء)

لٹریچر کی اہمیت:

نوری مشن کا قیام عمل میں آیا، ہم کم سن تھے لیکن تحریر کی اہمیت سے آگاہ ہو چلے تھے، پھر مسعود ملت کی کئی تحریریں ہاتھ لگیں اور حسن تحریر نے دل کی دنیا کو زیر کر لیا، مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری نے اپنے دورۂ مالیگاؤں پر مسعود ملت کا ایک کتابچہ ''عید کونین'' عنایت فرمایا اور اس کی اشاعت کا حکم دیا، اشاعت عمل میں آئی، آمد سرکار ﷺ سے متعلق محبت بھرے انداز میں استدلال سے پر اس رسالے نے اہلیان مالیگاؤں کو متاثر کیا، اس کے متواتر تین ایڈیشن شائع ہوئے اور مقبول بھی، اس دوران متعدد کتابیں نوری مشن نے شائع کیں اور انھیں مسعود ملت کی خدمت میں ارسال کیا، آپ نے اظہار مسرت فرمایا، حوصلوں کو بڑھایا، خلوص کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی۔

اس طرح ہم بے مایہ افراد بھی آپ کی دعاؤں سے سرفراز ہونے لگے، پھر یہ تعلق آپ کے وصال تک قائم رہا، الحمد للہ! جب بھی اپنوں کی ستم ظریفی نے حوصلوں کو مات دینے کی جسارت کی مسعود ملت کے حوصلہ افزا کلمات نے سہارا دیا، ایک نیا عزم دیا۔

خورد نوازی:

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی سے راقم کا ۲۰۰۳ء میں رابطہ ہوا، مسعود ملت اس عظیم ادارہ کے سرپرست تھے، ادارہ نے اپنی تصانیف تحفتاً بھجوائیں اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا جو اب تک برابر قائم ہے، ادارے کے توسط سے اس دوران رضویات پر بڑی اہم کتابیں موصول ہوئیں، جن میں مسعود ملت کی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور ہوتی، مسعود ملت بھی اپنی کتابیں ارسال فرماتے، شفقت کا یہ حال کہ جب راقم نے اپنے مضامین روانہ کیے تو گراں قدر تاثرات عطا فرمائے اور مستقل لکھتے رہنے کی ترغیب بھی دی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ راقم مسعود ملت کی تحریروں سے متاثر ہو کر ہی کچھ لکھنے اور تحریری کام کرنے کے لائق بنا۔

چند سال قبل جب کہ یادگار رضا (سال نامہ رضا اکیڈمی ممبئی) کی ترتیب الحاج محمد سعید نوری نے راقم کے سپرد کی تو راقم نے مسعود ملت کو

اطلاع دی آپ نے مسرت کا اظہار کیا اور اس علمی کام کے سلسلے میں ناصحانہ کلمات سے نوازا۔ راقم کے مضامین کی اشاعت پر اظہار مسرت فرماتے، وہ بہت بلند تھے لیکن خورد نوازی کا یہ حال کے قدم قدم پر ہم جیسے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے ایسی مثال کم ہی ملے گی، راقم نے حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ پر ایک مقالہ لکھا ''مفتی اعظم اور ان کی تعلیمات'' اصلاحی پہلو پر مبنی اس مقالہ کو آپ نے پسند فرمایا اور از راہ عنایت ایک جامع ''تقدیم'' لکھ بھیجی جو مقالے کے ساتھ کتابی صورت میں مالیگاؤں سے شائع ہوئی۔

مالیگاؤں سے مطبوع رسائل:

مسعود ملت کے مالیگاؤں سے جو رسائل شائع ہوئے ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) عید کونین (۲) تعظیم و توقیر (۳) عیدوں کی عید (۴) سیرت رسول ﷺ اور ہماری زندگی (۵) چشم و چراغ خاندان برکاتیہ (۶) خوب و ناخوب (۷) نوائے امروز احمد رضا (۸) پیغام مسعود۔

ان میں شروع کی چار مطبوعات سیرت پاک پر ہیں ''عیدوں کی عید'' اور سیرت رسول ﷺ، (تلخیص از: مولانا عبد المبین نعمانی قادری) کی اشاعت رضا اکیڈمی نے کی، مدینہ کتاب گھر اور رضا اکیڈمی نے آپ کی مطبوعات کو مالیگاؤں میں عام کیا اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے، نوری مشن نے مسعود ملت کے مقالات کو جب ارباب دانش کی خدمت میں ارسال کیا تو سب نے ان کی جامعیت اور قلم کی خوش خرامی اور دلائل کی فراوانی کی داد دی۔ مولانا محمد احمد مصباحی پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''پروفیسر مسعود احمد صاحب کا مقالہ بھی اختصار کے باوجود معلومات افزا ہے جیسا کہ ان کے مضامین کا عموماً یہی حال ہوتا ہے کہ زیادہ معلومات فراہم کر دیتے ہیں۔''

(مکتوب محررہ ۸/ جون ۲۰۰۵ء)

ڈاکٹر صابر سنبھلی لکھتے ہیں: ''پروفیسر مسعود صاحب کا ایسا مختصر رسالہ پہلے بھی دیکھا تھا جو جشن ولادت منانے سے متعلق تھا، ایسے مختصر اور پرمغز رسائل اذہان پر دیرپا اثر چھوڑتے ہیں اس لیے ان کی اشاعت مفید ہوتی ہے۔''

(مکتوب محررہ ۱۳/ اگست ۲۰۰۳ء)

ملک العلما کے فرزند پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) راقم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا مقالہ پڑھا، ڈاکٹر صاحب فاضل بریلوی کے ماہروں میں ہیں۔ یہ بہت اچھی تحریر ہے یاد آتا ہے نظر سے کہیں گزری ہے، قند مکرر کا لطف پایا۔''

(مکتوب محررہ ۴/ دسمبر ۲۰۰۵ء)

چند مکتوبات:

راقم نے جب سے قلم تھاما مسعود ملت سے برابر رابطہ استوار رکھا، دینی و علمی اور اشاعتی کاموں کے سلسلے میں رائے مشورہ لیتا رہا۔ اشاعتیں بھیجتا رہا، منصوبے گوش گزار کرتا رہا۔ آپ کی تحریروں پر مالیگاؤں کے اہل علم کے تاثرات سے مطلع کرتا رہا۔ شہر کی دینی سرگرمیوں کی اطلاعات بھیجتا رہا۔ مسعود ملت بھی خطوط کا جواب ضرور دیتے۔ ایسے خطوط جو پیش نظر ہیں ان کی تعداد ۹/ ہے، ممکن ہے کہ مزید خطوط فائلوں اور کاغذات کے انبار میں کہیں ہوں۔ دستیاب خطوط کو بالترتیب تحریر کیا جاتا ہے:

(۱) امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہونگے۔ رسالہ ''تعظیم و توقیر'' موصول ہوا، نوازش و کرم کا ممنون ہوں اس وقت صالح لٹریچر کی اشاعت کی سخت ضرورت ہے مولیٰ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے کہ آپ اس ضرورت کو پورا فرما رہے ہیں۔ فقیر کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ فقیر کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خلوص و للّٰہیت سے دین و مسلک کا کام کرتے رہیں اور اہل سنت کی صراط مستقیم کی طرف

رہنمائی کرتے رہیں۔ فقط والسلام احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ۔

(مکتوب محررہ ۲۱ رشوال ۱۴۲۴ھ)

(۲) نوازش نامہ اور علمی تحائف یادگار رضا، تاج دار اہل سنت اور تصنیفات امام احمد رضا نظر نواز ہوئے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور مزید ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ آمین! ممنون ہوں کہ فقیر کے رسائل آپ نے طبع کرا کر شائع کیے۔ ''چہل حدیث'' اور امام احمد رضا کی عالمی اہمیت'' کی اشاعت کی خبر بھی موجب انبساط ہے، خلوص وللّٰہیت سے کام کیا جائے تو اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے۔ ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی سات جلدیں شائع ہو چکی ہیں، تین مزید جلدیں زیر تدوین ہیں، امام ربانی فاؤنڈیشن کے قیام پر آپ کی مبارک باد کا تہہ دل سے ممنون ہوں، دعاؤں میں یاد رکھیں۔ مکرمی مولانا محمد سعید نوری، حافظ شکیل احمد رضوی، مولانا نیاز احمد، محمد میاں مالیگ زید مجدھم کو فقیر کا سلام کہہ دیں۔ حاضرین محفل سلام قبول فرمائیں۔ فقط والسلام...... احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ۔

(مکتوب محررہ ۱۲ رجولائی ۲۰۰۵ء)

(۳) کرم نامہ اور تبصرہ موصول ہوئے۔ کرم فرمائی اور یاد آوری کا ممنون ہوں، یادگار رضا کی تدوین و ترتیب کی خبر نے مسرور کیا، مولیٰ تعالیٰ آپ کی غیب سے مدد فرمائے، آمین! مبارک باد کا ممنون ہوں ''جہان امام ربانی'' کی بارہ جلدوں کی اشاعت کے بعد مزید تین جلدیں ''باقیات جہان امام ربانی'' کے عنوان سے زیر تدوین ہیں، جن کتب و رسائل کا آپ نے ذکر فرمایا وہ بذریعہ ڈاک بھیج رہا ہوں۔ مل جائیں تو مطلع فرمائیں تا کہ اطمینان ہو۔ یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ برادرم ابوزھرہ رضوی زید مجدہ کی کتاب مقبول ہوئی۔

مزید تصانیف ضرور چھپوائیں، آپ نے جو موضوع منتخب فرمایا ہے بہت مناسب ہے، اس پر ابھی کام نہیں ہوا۔ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (بریلی شریف) سے ضرور رابطہ کریں، وہ بہتر مشورہ دے سکیں گے، فقیر مصروفیت کی وجہ سے سر دست خاکہ پیش کرنے سے قاصر ہے فقیر کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں، برادرم مولانا محمد سعید نوری، حافظ شکیل رضوی، ابوزھرہ رضوی، محمد میاں مالیگ، مولانا محمد ارشد مصباحی، حامد رضا انصاری، وسیم رضوی اور اپنے احباب کو سلام کہہ دیں۔

فقط والسلام...... احقر محمد مسعود عفی عنہ۔

(مکتوب محررہ ۷ رجنوری ۲۰۰۸ء)

بخوف طوالت یہاں بطور نمونہ صرف تین خطوط پیش کیے گئے۔

﴿بشکریہ ماہنامہ ''جامِ نور'' دہلی۔ جولائی ۲۰۰۸ء﴾

..................☆☆☆..................

اعتذار

''معارفِ رضا'' کے گذشتہ شمارے (بابت ستمبر تا نومبر ۲۰۰۸ء) میں ایس. ایم افتخار صاحب کے مضمون بعنوان ''عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے امین قائدینِ ختمِ نبوت کو سلام'' میں دو مقامات اصلاح طلب ہیں:

ا۔ مذکورہ شمارے کے صفحہ ۳۳، پیراگراف ۳ کی سطر ے میں ''مولانا غلام ہزاروی کا نام غلطی سے شامل ہو گیا ہے، لہٰذا اسے نہ پڑھا جائے۔

۲۔ صفحہ نمبر ۲۴ کے دوسرے پیراگراف کی ابتدائی چھ سطور کو اس طرح پڑھا جائے:

''قائدِ اہلِ سنت علامہ شاہ احمد نورانی نور اللہ مرقدہ اور دیگر اراکین علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، علامہ سید محمد علی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا، چوہدری ظہور الٰہی اور احمد رضا قصوری وغیرہ کا کردار قابلِ تعریف تھا جنھوں نے اپنی کامیاب حکمتِ عملی کی بدولت اس وقت کے وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ذریعہ سرکاری طور پر قادیانیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس کے برعکس جمعیت علمائے اسلام کے مولوی غلام غوث ہزاروی اور عبد الحکیم نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے کی اس قرارداد پر تائیدی دستخط تک نہ کیے بلکہ اس کی مخالفت کی۔'' ﴿ادارہ﴾

مملکتِ نعت کے فرماں روا

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پروفیسر محمد اکرم رضا☆

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے جن لازوال علمی وفقہی کمالات، باطنی ونظری خصوصیات اور علمی وادبی خصائص سے نواز رکھا تھا ان میں سے ایک صفتِ خاص آپ کی منفرد نعت گوئی ہے۔ اگر ایسے اساتذۂ فکر وفن کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے اس صدی میں ثنائے مصطفیٰ کا پرچم لہرانے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا تو ان میں یقیناً سرِ فہرست حضرت فاضل بریلوی کا اسم گرامی ہوگا کہ جن کی نعت گوئی کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ان نابغۂ روزگار ثنا گویانِ کوچۂ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں سے بیشتر نے انہیں فنِ نعت کے حوالے سے اہم سخن گویاں قرار دیا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑسکی بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحتِ رسول ﷺ کی خاطر ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے تو احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام بلاغت سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کی صورت میں وجد آفریں سلام کی صدائیں ابھرتی ہیں تو جہاں اصحابِ نظر کی پلکیں عشق وعقیدت کے آنسوؤں سے نم آلودہ ہوجاتی ہیں وہاں تصورات کے نہاں خانوں میں نعت گو احمد رضا خاں کا جو روشن سراپا ابھرتا ہے وہ اس قدر سربلند اور سرفراز ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا کا وجود اپنی تمام بلند قامتی کے باوجود اس کے مقابلے میں مختصر محسوس ہوتا ہے۔

اس غیر معمولی مقبولیت، حیرت انگیز مرجعیت، لاثانی شہرت اور ان مٹ قدر ومنزلت کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نعتیہ شاعری کے لیے قرآنِ حکیم سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ قرآن حکیم بذاتِ خود نعتِ مصطفیٰ کا سب سے اہم ماخذ ہے جس کے ہر سپارے، سورت اور آیت سے صفت وثنائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک پھوٹ رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فقط ایک شاعر ہی نہ تھے نامور عالم دین، یگانہ روزگار محدث اور بے مثل مفسّر قرآن بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ذوق وشوق کی کیف آفریں وادیوں میں کھو کر جب قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تو انہیں نعتِ مصطفیٰ ﷺ کی رفعتیں اپنے قلب وجان کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے سے آگے بڑھے تو شریعتِ مصطفوی ان کی خضرِ راہ بن گئی اور وقت کا سب سے عظیم ترین فقیہ نعت کی گلرنگ وادیوں میں سفر کرتے ہوئے بے اختیار عظمت کلام خداوندی عزوجل اور شریعتِ حضور ﷺ کے حوالے سے پکار اٹھا۔

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف
لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ چونکہ بہت بڑے عالم دین اور علومِ شریعت سے غیر معمولی آگاہی رکھنے والے نعت گو شاعر تھے اس لیے انہوں نے نعت کے حقیقی مقام ومرتبہ کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحابِ ذوق کے لیے شمع ہدایت ہے:

☆ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ۔

'' حقیقتاً نعت شریف کہنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔''

رضا بریلوی نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس کیا ہے۔ ان کا راہوارِ قلم جب عشق و عقیدت کی جولاں گاہ میں محوِ سفر ہوتا ہے تو ہر گام پر دلوں کے تڑپنے، جذبوں کے چھلنے، تمناؤں کے غنچے چٹکنے کی صدائیں ابھرتی ہیں مگر حضرت رضا بریلوی نے عشق و عقیدت کی انتہائی سربلندیوں پر پہنچ کر بھی آدابِ شریعت اور ادب کے ساتھ احتیاط کو مدنظر رکھا ہے۔ کئی بلند پایہ نعت گو شاعر افراط و تفریط کے معاملے میں ٹھوکر کھا گئے مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن حکیم سنتِ مصطفیٰ اور اسوۂ رسول ﷺ کو خضرِ راہ بنا کر جب نعت کہی تو ایوان نعت جگمگا اٹھا۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک نقطہ ذوق و شوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایات مصطفوی کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوشبو کو حاصل ہے۔ خوشبو پھول کے باطنی حُسن کو اجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول تھے۔ یہی عشق ان کا سرمایۂ حیات اور یہی ادب و احترام ان کا اثاثۂ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعہ نجات تھا۔ احمد رضا خاں عشق مصطفیٰ ﷺ کی بارات کس طور سجاتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

الٰہی! منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرشِ آنکھوں نے کمخوابِ بصارت کا

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون باندھے گا اس کا کلام اتنا ہی زیادہ مقبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ اعلیٰ حضرت نے نعتِ مصطفیٰ (ﷺ) رقم کرتے ہوئے مضامین آفرینی کی سربلندیوں کو چُھوتے ہوئے بھی ادب و احترامِ مصطفیٰ کو فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ اس کوچۂ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انہیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا بلکہ دوسرے شعرا کی بھی راہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع یہ تھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت نے سن کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسرا مصرعہ مقامِ نبوت کے لائق نہیں ہے۔ آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی ہے۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلّٰی کے سامنے

اعلیٰ حضرت کی اس اصلاح سے اطہر ہاپوڑی کی مضمون آفرینی اور رفعتِ تخیل کو چار چاند لگ گئے۔ اب ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے مضمون آفرینی رفعتِ تخیل اور شوکتِ فکر کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

واہ! کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مرے کریم! گنہ زہر سہی لیکن
کوئی تو شہدِ شفاعت چشیدہ ہونا تھا
پریشانی میں نام ان کا دلِ صد چاک سے نکلا
اجابت شانہ کرنے آئی گیسوے توسل کا

حضرت احمد رضا خاں صفت وثنائے حضور میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیست نعت کے علاوہ کسی اور طرزِ سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سلطانِ اقالیم دو عالم ہیں۔ افتخارِ آدم و بنی آدم ہیں رحمت پناہِ عاصیاں اور چارۂ بے چارگاں ہیں۔ آپ کا دربار وہ دربارِ معلّٰی ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور بوریا نشینوں کو عشق و عقیدت کے نام پر کجکلاہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربارِ معلّٰی سے نسبت حاصل کر کے کسی اور دروازے کی طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نعت کو ان بلندیوں پر پہنچا دیا کہ زمانے کو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہی بنی۔ نعت مصطفیٰ ﷺ وہ افتخار ہے کہ نعت گو شاعر بے اختیار اس کے احساس سے اپنے جذبات کو وجد میں لے آتا ہے۔ اس لیے شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

یہی کہتی ہے بُلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اور سرور کائنات فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں قدرت نے ازل سے ابد تک کے تمام محامد و محاسن جمع کر دیے ہیں۔ آپ کے ظاہری و باطنی فضائل عقل و خرد سے، وریٰ اور آپ کے کمالات ذہنِ انسانی سے کہیں بلند ہیں۔ شاعر کی فکرِ کمتر کمالاتِ مصطفیٰ ﷺ کا احاطہ کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہے مگر بے بس و ناتواں ہو کر اپنی معذوری و مجبوری کا اعتراف کرنے لگتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے قلم حقیقت رقم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ ظاہری اور باطنی تجلّیات کو جی بھر کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کا یہ خراجِ عقیدت اشعار کا ایک ایسا گلکدہ ہے جس کا ہر پھول سدا بہار اور ہر غنچہ محبت رسول سے مشکبار ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ صورت کو اس شان سے اپنی شاعری کا اعزاز بنایا ہے کہ افقِ شاعری پر عظمت و شانِ مصطفیٰ ﷺ کے نجوم تاباں ہر لحظہ نئی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوئے اور اصحابِ نظر کے افکار کو مستنیر کرتے نظر آتے ہیں۔ حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

یہ کمال حُسنِ حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

خامۂ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی اتاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ واہ

جب اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ باطنی اور جمالِ سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا انداز بیان دیدنی ہوتا ہے ان کی نگاہوں میں حضور نبی کریم کے تمام خصائص وکمالات گھومنے لگتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عظمتِ کردار، رفعتِ گفتار، بے پایاں رحمۃ للعالمینی، میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی، گنہگار امت کے لیے حضور کی گریہ وزاری، خطا کاروں کی بخشش کے لیے رحمت شعاری، جُود وکرم کی فراوانی، لطف وعنایات کی فراخ دامانی، اخلاق عالیہ کی رفعت، سیرت وکردار کی عظمت خدا کی اپنے محبوب پر بے پایاں عنایت اور حضور نبی کریم کا امت کے لیے ہر آن امنڈتا ہوا بحرِ شفاعت، یہ سب خصائص جب احمد رضا خاں کے قلم میں سمائے ہیں تو ان کے خامۂ عنبر فشاں کو نئی توانائی اور ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی وگیرائی وعطا ہوتی ہے۔ آپ کے کلام سے چند اشعار نذرِ قارئین ہیں۔

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یا اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
ایک میں کیا میرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھادیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیے ہیں

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی
جن کے تلووں کا دھوون ہے آب حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
آنکھ کھولو، غمزدو! دیکھو وہ گریاں آئے ہیں
لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے

شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری کا وہ حصہ دلوں کو بے اختیار انداز آشنا کرتا ہے جب آپ حرمین شریفین کی جانب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کو دیکھنے کی تمنا ہر صاحبِ ایمان کے دل میں مچلتی ہے اور پھر جب وہ شخصیت اس مبارک سفر پر روانہ ہو رہی ہو جس نے عمر بھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا ہو۔ توحید خداوندی کے آداب سکھائے ہوں، احترام وعقیدتِ رسول کی چمک عطا کی ہو۔ دلوں میں شمعِ عشقِ رسول جلا کر اجالا کیا ہو۔ جس

کی اپنی زندگی عشقِ مصطفوی کی تصویر اور محبتِ رسول ﷺ کی عملی تفسیر ہو۔ جس کے شب و روز بیت اللہ کے طواف اور حرم نبوی کی زیارت کے تصور میں گزرتے ہوں۔ تو پھر اس پر کیف سامانی کا سحاب کس شان سے پرتوفگن ہوگا۔ اس کا تذکرہ بہار آفریں بھی ہے اور روحانی لطف و سرور کا باعث بھی۔ آیئے ہم بھی امام احمد رضا خاں کی اس کیف سامانی سے چند اشعار کا معنوی حُسن مستعار لے کر دلوں کو شاد کام کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرادیے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

جب آپ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے مدینۂ منورہ حاضر ہوتے ہیں تو ان کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا تصور ان سے کس طور خراجِ عقیدت حاصل کرتا ہے اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔

حاجیو! آؤ، شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
غور سے سُن تو رضاؔ! کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

مدینۂ منورہ کے بارے میں احترام و عقیدت کا کس شان سے اظہار کرتے ہیں انداز دیکھیے۔

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اور پھر مدینہ منورہ کی گلیوں میں اس عاشقِ رسول کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ آنکھیں کس طرح اشکوں کی لڑیاں پروتی ہیں۔ انہیں یہاں ہر گام پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف آپ کی بے قراری ہے اور دوسری طرف آقا و مولا ﷺ کی نوازشوں کا احساس۔ اسی احساس سے سرشار ہو کر مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے ہیں۔ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کرتے کرتے جی نہیں بھرتا، دل مکینِ گنبدِ خضریٰ کی زیارت کے لیے مچلتا رہا۔ یہی بے قراری رنگ لائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایاتِ بے کراں سے نوازے گئے۔ اس کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا نعتیہ مجموعہ ''حدائقِ بخشش'' ہے جس کا اولین سالِ اشاعت ۱۳۲۵ھ ہے۔ رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام کا ایک دلاویز اور خوبصورت حصّہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدۂ نور، قصیدۂ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ قصیدہ در میں بطورِ خاص حضور نبی کریم ﷺ کی ولادتِ اقدس کے حوالے سے آپ کی صفاتِ عالیہ کو موضوعِ شاعری بنایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اس قدر جامع اور اثر آفریں ہے کہ بے شمار عشاقِ مصطفےٰ اسے وظیفۂ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عماما نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچّا بچّا نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

''قصیدۂ معراجیہ'' میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت وفضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذاتِ خود فکر وفن کا شہکار اور کاروانِ مدحت نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات، استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے سرمایۂ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جَوْدَتِ وحدّتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے انہیں دنوں معراج پر قصیدہ ''سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل'' لکھا تھا۔

محسن کاکوروی اپنا قصیدہ سنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا۔ نماز عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکھٹے ہوئے تو مولانا نے محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لو۔ محسن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ اس عالمانہ وعارفانہ نکات کے حامل اور شاعرانہ کمالات سے لبریز قصیدے کے چند اشعار سے قارئین بھی اپنے گلشنِ ایمان کو بہار دو کنار کریں۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
یہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چِٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

مولانا احمد رضا خاں کا سلام ہر لحاظ سے ادب عالیہ کا ایک حصہ ہے۔ اسے فنِ شاعری کے حوالے سے دیکھیں، یا محبت وعقیدت کے حوالے سے ثنائے مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں دیکھیں یا الفاظ وتراکیب کی برجستگی کے حوالے سے۔ حُسنِ زبان وبیان کے آئینے میں دیکھیں یا شکوہِ تراکیب واستعارات کی جلوہ گری کے پیمانے سے اس کے فنی و شعری محاسن کا جائزہ لیں یہ سلام دلوں کو محبتِ رسول کی دولت عطا کرتا، پتھر دلوں کو روحانی گداز بخشتا اور اپنے مخصوص صوتی آہنگ میں دلوں کے تار چھیڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کوثر وتسنیم سے ڈھلی ہوئی زبان، مشک وعنبر سے بسا ہوا قلم، جمالِ عقیدت سے آباد سرشار لہجہ۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی سراپا کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے ایک ایک عضو پر عقیدت کی مہکار پتیاں نچھاور کی گئی ہیں۔ قارئین کے ذوق کی جلا کے لیے چند اشعار پیش ہیں۔

شہریارِ ارم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِ ممدودِ رافت پہ لاکھوں سلام
دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جن کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گُلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

غیر معمولی جذبۂ عشقِ رسول ﷺ علومِ شرعیہ پر مکمل عبور روحانی سوز وگداز، شدّتِ احساس اور خلوصِ جذبات کی ہم آہنگی نے فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کو حُسنِ تغزل عطا کر دیے جو آپ سے پہلے کسی نعت گو شاعر میں نظر نہیں آتا۔ آپ وہ پہلے نعت گو شاعر ہیں جنھوں نے نعت کو غزل کا آہنگ اور لہجۂ عربی عطا کیا۔ ردیف اور قوافی کے اہتمام سے نعت جیسی پاکیزہ صنف کو غزل پر فوقیت عطا کر دی۔ آپ نے اس عروسِ سخن کو مجازی محبوب کی دہلیز سے اٹھایا شاعری کو غزل کے شبستانِ ہوس سے نکالا اور ایوانِ نعت کے دلکش ماحول میں اس سے چراغِ ہدیٰ کا کام لیا۔ نعت اس وقت تک حُسنِ تغزل سے محروم رہتی ہے جب تک اس میں عشق اپنی انتہا کو نہ چھونے لگے۔ اور سوز وگداز کا پھوٹتا ہوا سر چشمہ آنکھوں سے محبوب کی محبت کے نام پر اشکوں کا خراج نہ لینے لگے۔ حضرت احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری میں تو سوزِ بلال کی تڑپ تھی۔ عشقِ اویس کی جلوہ گری تھی، رومی و جامی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم کی تڑپ تھی۔ آپ نے اپنے معاصرین کی نعت گوئی کے مقابلے میں کہ جو زیادہ تر مولود ناموں اور نظم گوئی پر مشتمل تھی ایک نیا راستہ نکالا۔ یہ راستہ وہی تھا جس پر سے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں پہلا کاروانِ نعت گزرا تھا۔ اس کاروانِ نعت کے قدموں سے ابھرنے والی گرد کے ایک ایک ذرّے نے بے شمار ستارے تخلیق کیے تھے۔ امام احمد رضا خاں نے اپنی عقیدت کی پلکوں سے ان ستاروں کو چُنا۔ فیاضیِ قدرت نے ان کی شاعری کو وہ حُسنِ تغزل عطا کر دیا کہ ایک زمانہ بیت جانے کے باوجود آپ کا کلام حالات کے ظلمت کدوں میں اسمِ محمد ﷺ کے اجالے بکھیر رہا ہے۔ حُسنِ تغزل کے نام پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نہ آسماں کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا

نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبحِ گُل کو گریباں دریدہ ہونا تھا

نعتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیِ رحمت کا قلمدان گیا
دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

اہلِ صراط روحِ امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امّتِ نبوی فرش پر کریں

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لیے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

چونکہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نامور محدث اور علومِ شریعت کے عالم کامل تھے۔ تاریخ اور سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن ادوار پر آپ کی گہری نظر تھی۔ اس لیے آپ نے جہاں حُسنِ تغزل کی بہار بکھیرتے ہوئے اپنے آقا و مولا کے لامتناہی فیوض و برکات کا تذکرہ کیا ہے وہاں آپ نے اپنے علمی کمالات اور علوم دینیہ پر گہری گرفت رکھنے کی بنا پر بہت سے ایسے واقعات اور معجزات کی طرف بھی اشارا کیا ہے جن سے عظمت وشانِ رسول ﷺ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ان کی قرآن فہمی اور احادیثِ نبوی پر عبور نے انہیں بہت مدد دی ہے۔ بعض نعتیہ اشعار تو آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا منظوم ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے قرآنی آیات اور احادیث کو اس خوبی سے اپنی نعتوں میں سمویا ہے کہ ہر صاحب فکر کو ان کی قدرتِ فن کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بعض نعتوں میں تو عربی کے الفاظ اس

طرح جگہ پا گئے ہیں کہ مستقل طور پر انہی کا حصّہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان نعتوں میں عربی الفاظ کی آمیزش نے کس طرح ان نعتوں کے حُسن کو دوبالا کیا ہے اس کی بہترین مثال ان کی یہ شہرۂ آفاق نعت ہے۔

لَم یَاتِ نَظیرُکَ فِی نَظَرٍ مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اب چند مثالیں خصائص نبوی اور معجزات و کمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پیش ہیں۔

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا
کیوں جنابِ بوہریرہ تھا وہ کیسا جامِ شِیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن وادا کی قسم

مولا علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غرر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان انہیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا کی حیثیت اس صدی کے نعت گو شعرا میں میرِ کارواں کی ہے۔ آپ کی نعتوں نے فقط آپ کے دور کو نہیں بلکہ آنے والے ادوار کو بھی متاثر کیا۔ فقہی اور شرعی امور میں آپ سے شدید اختلاف رکھنے والے حضرات بھی جب نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں تو تمام تر تعصّب کے باوجود انہیں بھی ایوانِ نعت کی سب سے سربلند مسنَد پر حضرت رضا بریلوی کو ہی جگہ دینی پڑتی ہے۔ ایک مضمون کہ جہاں صفحات کی تنگ دامانی راہوارِ قلم کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہو بھلا آپ کے تمام تر شعری اوصاف کا کس طور احاطہ کر سکتا ہے۔ آج فاضل بریلوی کی اثر آفریں نعت گوئی اپنی تاثر انگیزی کی گرفت کو اس قدر مضبوط کر چکی ہے کہ فقط برصغیر میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں آپ کی شخصیت اور کلام پر تحقیقی کام کا سلسلہ جاری ہے۔ اس ضمن میں شفیق بریلوی کی کتاب ارمغانِ نعت کے حوالے سے کراچی میں ۱۹۷۵ء میں منعقد ہونے والی تعارفی تقریب میں مولانا کوثر نیازی کی یہ رائے خاص اہمیت رکھتی ہے۔

''بریلی شریف میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور احمد رضا خاں جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔''

مولانا احمد رضا خاں نے نعت گوئی میں قرآن حکیم سے بھرپور راہنمائی لی۔ اس ضمن میں ان کے فتاویٰ رضویہ بخوبی شاہد ہیں کہ وہ نعت گوئی کے تقاضوں کو کس درجہ سمجھتے تھے اور نعت گو شعرا سے کس درجہ احتیاط اور ادب کی توقع رکھتے تھے۔ قرآنِ حکیم اور اپنی شعر گوئی کے حوالے سے کہتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ لِلّٰہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

شاعری میں ان کے پیشِ نظر مداح رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی مشعلِ راہ تھی۔ اپنے دور کے شعرا میں مولانا کفایت علی کافی کی نعت گوئی سے متاثر تھے۔ اکابر کے ہاں جس قدر ادب واحتیاط کا غلبہ تھا ویسا ہی منظر وہ ہر دور کے نعت گو شعراء کے ہاں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس حوالے سے ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار وحُدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت یہ ہو
نقش قدم حضرتِ حساں بس ہے

احتیاط اور ادب کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنے اشعار سنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی بدایونی کا کلام سنتا ہوں (اس لیے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت پہ تُلا ہوتا ہے) اگرچہ حضرت کافی کے یہاں لفظ ''رعنا'' استعمال ہوا ہے لیکن اگر وہ اپنی غلطی پر آگاہ ہوجاتے تو یقیناً اس لفظ کو بدل دیتے۔ پھر خیالِ خاطر احباب کے پیشِ نظر ان صاحب کو کلام سنانے کی اجازت عطا کردی ان کا ایک مصرعہ یوں تھا ؏

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اسی در سے گھٹی

آپ نے فوراً اس شاعر کو ٹوک دیا اور فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیائے کرام کی شان وشوکت کو سربلند سے سربلند کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصرعہ یوں بدل دیا جائے۔

شانِ یوسف جو بڑھی ہے تو اسی در سے بڑھی

یہ احکامِ شریعت کو حد درجہ ملحوظ رکھنے ہی کا کمال تھا کہ مصرعہ کی تبدیلی سے مضمون انتہائی جاندار اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوگیا۔

رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا دور مسلمانوں پر انتہائی مصیبت اور ابتلا کا دور تھا۔ حکومت تو ہاتھوں سے چھن چکی تھی بدقسمتی سے مسلمان احساسِ زیاں سے بھی محروم ہوچکے تھے۔ غیر مسلم قوتیں ان پر اپنے نظریات ٹھونس رہی تھیں اور دوسری طرف نیشنلسٹ مسلم زعما وعلما جبّہ و دستار اور منبر ومحراب کے وارث ہونے کے باوجود اسلامی نظریات کی شوکتِ دیرینہ کے تصور کو بھی پاش پاش کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں کا ذہن جاگ رہا تھا۔ ان کی نظریاتی سوچ اپنی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے نظریاتی اعتقادات سے بغاوت کرنے والی ہر قوت کو للکارا اور انہیں پیغام دیا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یہاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

اور یہ نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی فیضان ہی تھا کہ آپ کی آواز تاریخ کے سب سے بڑے حدی خوان کی صدائے دردناک بن کر برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کر گئی۔ آپ کو دشنام طرازیوں اور طعنوں کے طوفان سے گزرنا پڑا مگر آپ کی نظم اور نثر نے حیرت انگیز انقلاب برپا کردیا۔ وہ محبت رسول میں کسی سمجھوتے کے قائل نہیں تھے اور اس سلسلہ میں انہیں اپنے قلم کی قوت اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وکرم کا پورا پورا احساس تھا۔

وہ رضاؔ کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

اور اسی حقیقت میں کلام نہیں کے رضا کے نیزے کی مار نے کتنے ہی اسلام دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ دو قومی نظریہ کے

دشمنوں سے مثالی جنگ لڑی۔ گاندھی اور سبھاش چندکو راہنما بنانے والوں کا تعاقب کیا۔ پاکستان کے دشمنوں کو بے نقاب کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے بڑے بڑے راہنماؤں کی پروانہیں کی اوران کوسرِ عالم للکارا۔ ان کی نعت گوئی نے ایک موثر ہتھیار کا کردار ادا کیا۔ جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کواُن کی شاعری سے کفر کے خلاف شمشیر وسنان کا کام لینے کا مشورہ دیا تھا۔ اور واقعی انہوں نے ایسا ہی کردیا۔ اسی طور پر رضا بریلوی نے اپنی نعت گوئی سے ایک زبردست نظریاتی حصار قائم کردیا۔ اس سلسلہ میں ان کی زبان دانی، فصاحت و بلاغت، تراکیب وتشبیہات، صنائع بدائع پر بھرپور گرفت اور اسلام سے غیر متزلزل وابستگی نے اہم کردار ادا کیا۔ رضا بریلوی کی زبان کی شستگی اور روانی میں اپنے سے پہلے کے ادوار اور اپنے دور کے اساتذۂ فن میں کسی سے کم نہیں بلکہ بعض حوالوں سے سبقت لے جاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
میرے مولا میرے آقا ترے قربان گیا
جان و دل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اُجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

محمد مظہر کامل ہے حق کی شانِ عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

ممتاز نقاد نیاز فتح پوری آپ کے علم وفضل اور شعری محاسن پر آپ کی بھرپور گرفت کے قائل تھے۔ انہوں نے فاض بریلوی کو قریب سے دیکھا تھا اوران کی شخصیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ

''اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے زیادہ گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔''

اسی حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں:

''شجر علمی'' زور بیان اور وابستگی وعقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا...... اردو نعت کی ترویج واشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی ذات نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی''۔

(حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں نیاز فتح پوری کے تاثرات، محمد احمد قادری)

شاہ احمد رضا خاں نے مدحتِ سرکار کے جس دبستان کی بنیاد ڈالی تھی اس کی بدولت آج ایک زمانہ ان کا ہمنوا نظر آتا ہے اور ہر دور میں ان کے ہمنواؤں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ فاضل بریلوی کو اول و آخر مدحتِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے سروکار تھا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے یہ جملے خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

''نعت کے مشتملات وشمائل کا ذکر ہر نعت گو کے ہاں مرغوب رہا ہے۔ اس لیے کہ ان کا شمار ہی عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ فاضلِ بریلوی کے ہاں خصائص میں وجہِ تخلیق ہونا، سراپا نور ہونا، قاسمِ عطایا

ہونا، سب سے افضل ہونا، سرتا بقدم شانِ حق ہونا، جانِ ایمان ہونا، کائنات ہست و بود کی رونق و جلا ہونا اور مرکزِ عقیدت و محبت ہونا بہت نمایاں ہیں۔ یہ خصائص ان کے ایمان کا حصہ ہیں اسی لیے ردیف اور قافیہ کے تنوع کے باوجود تذکرہ انہیں کا ہوتا رہا۔'' (نعت رنگ ۱۸)

اس حوالے سے دیکھیں تو رضا بریلوی مداحِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں لہجہ بدل بدل کر نئے نئے مضامین کے پھول کھلا نظر آتے ہیں۔

وہی نورِ حق وہی ظلِ رب ہے انہی کا سب ہے انہی سے سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہِ تاباں ہم کو

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

شہا کیا ذات تیری حق نمایئے فردِ امکاں میں
تجھ سے کوئی اول ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے ربِّ سَلِّم صدائے محمد

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے

فریاد امتی جو کرے حالِ زار پر
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

مدّعا یا طلب شفاعت شعرائے نعت کا خاص جزو رہا ہے، استغاثہ اور پھر توسّل انہیں اپنے ممدوح کی عظمت کے اظہار اور اپنی بے کسی و بے بسی کے اقرار کا قرینہ بخشتا ہے۔ اگر مدعا طلبی شاہانِ دنیا سے ہو تو یہاں بڑے سے بڑا قصیدہ بھی پست نظر آتا ہے لیکن اگر مدعا طلبی محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو پھر نعت گو کی ہر فکری کاوش ادبِ عالیہ کی بلندیوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ نعت میں بات فقط قوافی و اوزان کی نہیں بلکہ یہاں تو توسّل اور شفاعت طلبی کے لیے شاعر کی بلند خیالی بطور خاص مدنظر رکھی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں یہ مضمون ہر بار نئے انداز اور نئے حسن سے جلوہ گر نظر آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرکز محور ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت بے کراں کا حصول ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں علم شریعت قرآن و حدیث اور سچے جذبوں کا توازن ہے۔ وہ استغاثہ بھی پیش کرتے ہیں تو آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔

عرش سے مژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

''اَنْتَ فِیْهِمْ'' نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ، لے خبر
اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا، آہ! لے خبر

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ ''لا'' ہے نہ حاجت اگر کی ہے
لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
منگتے کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

جب ہم اُمّتِ اسلام پر بپا ہونے والے صدمات اور مصائب کا ذکر کرتے ہیں تو الطاف حسین حالی کی یہ مناجات ہر عہد کی ترجمانی کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اے خاصہ خاصانِ رُسُل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یہ استغاثہ یا نوحہ اُمّتِ اسلام سقوطِ بغداد سے لے کر سقوطِ ڈھاکہ تک ہر عہد اور ہر زمانے میں زوال آمادہ مسلمانوں کے رنج والم کا ترجمان ہے۔ حالی کے استغاثے نے اردو ادب میں باقاعدہ استغاثہ نگاری کی بنیاد رکھی اسی کیفیت کی ترجمانی کرتی ہوئی رضاؔ بریلوی کی صدائے غمناک ابھری۔

اَلْبَحرُ عَلیٰ وَالْمَوْجُ طَغےٰ مَن بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

پُر شکستہ لمحات میں غم کے ماروں کی نگاہیں سوئے مدینہ ہی اُٹھتی ہیں۔ یہاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے آنسو بارگاہِ رسول ﷺ میں شرحِ غم بیان کر دیے۔

نعت کہتے ہوئے فاضل بریلوی کہیں بھی یاس و قنوطیت کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق و ارادت کا رشتہ اس قدر مضبوط، غیر متزلزل اور مستحکم ہے کہ وہ راہِ حیات سے لے کر میدانِ حشر تک کہیں بھی مایوس و نا امیدی کو قریب نہیں آنے دیتے۔ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے جس ذاتِ والا صفات کو اپنا رہبر و راہنما مانا ہے وہ محبوب دو عالم اور ممدوحِ خدا و ملائکہ ہے۔ یہ وہ ذات جس کے سرِ اقدس پر شفاعت کا نور آفریں تاج جگمگا رہا ہے۔ جس کے ماتھے پر عفو و درگزر اور لطف و کرم کا جمال اپنی بہار دکھا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر سلام سندیلوی کی رائے ملاحظہ کیجیے:

''مگر جہاں تک امام احمد رضا خاں کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی یا روایتی نہیں۔ آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگانِ دین سے عقیدت تھی۔ آپ حُبّ رسول میں غرق تھے اس لیے آپ کی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری کے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت۔ شخصیت اور شاعری میں اس قدر ہم آہنگی اردو کے بہت کم شعرا کے یہاں ملے گی۔''

(المیزان۔ امام احمد رضا نمبر ص ۴۲۶)

اسی بات کو آگے بڑھانے میں سید شان الحق حقی کی رائے کا مطالعہ کیجیے:

''میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے۔ اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی مقبولیت اور دلپذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال اور مولانا کے مرتبے پر دال ہے۔''

(خیابانِ رضا۔ ص ۶۶)

ان دونوں آراء کو دیکھیے تو ہماری متذکرہ بالا رائے کو تقویت ملتی ہے کہ رضاؔ بریلوی کی روحانی اور فقہی شخصیت اور آپ کی شاعری ایک دوسرے میں گم ہوگئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمتِ بے

کراں پر آپ کا بھروسہ فقط آپ کی شاعری کا خاصہ ہی نہیں تھا بلکہ آپ اپنی شخصیت اور نظریات کے لحاظ سے اس پر کامل ایمان بھی رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ عنایت اور عنایاتِ بے کراں پر آپ کا کس قدر بھروسہ تھا اس کو آپ نے مکالماتی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ کمال کی روانی ہے۔ غضب کا لسانی خرام ہے کہ پڑھنے والا آپ کی فکر کی بلند پروازی کے ساتھ ساتھ محوِ پرواز نظر آتا ہے۔

بے بسی ہے جو تجھے پرسشِ اعمال کے وقت
دوستوں کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو! یہ کیا شور ہے! غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے؟ کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
کس سے کہتا ہے کہ لِلّٰہ خبر لیجیے مری
کیوں ہے بے تاب یہ، بے چینی کا رونا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پُرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال میں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سُن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے
پھر وہ آیا مرا حامی مرا غم خوارِ اُمم
آگئی جان تنِ بے جان میں، یہ آنا کیا ہے

اب یہاں احمد رضا فاضل بریلوی کی روحِ بے قرار کو آنے لگتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں، ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا
کیسے لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت میں بچایا کیا ہے
اے رضاؔ جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے

چھوٹی زمینوں میں دل نشیں اشعار کہنا بہت مشّاق شاعر کا کام ہے۔ اس میں زبان بہت آسان اختیار کرنی پڑتی ہے کم از کم لفظوں میں بڑے سے بڑے مضمون کو قلم بند کرنا ہوتا ہے۔ اساتذۂ فن کے ہاں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں جو چھوٹی زمینوں میں کہے گئے مگر مقبولیتِ دوام پاگئے۔ رضا بریلوی نے چھوٹی زمینوں میں نہایت آسان زبان میں کامیاب نعتیں کہی ہیں مثال کے طور پر چند اشعار درج کیے جاتے ہیں تاکہ آپ کی قادر الکلامی کا یہ پہلو بھی سامنے آسکے۔

غم ہوگئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا
مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
آقا آقا سنوار آقا

عاصیو! تھام لو دامن ان کا
وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
ارے یہ جلوہ گہِ جاناں ہے
کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمد
محمد برائے جنابِ الٰہی
جنابِ الٰہی برائے محمد

حرزِ جاں ذکر شفاعت کیجیے
نار سے بچنے کی صورت کیجیے
آپ ہم سے بڑھ کے ہم پر مہرباں
ہم کریں جُرم آپ رحمت کیجیے

مصطفٰے خیر الوریٰ ہو
سرورِ ہر دوسرا ہو
ہم وہی تنگِ جفا ہیں
تم وہی جانِ وفا ہو

انبیا کو بھی اَجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی
پاک ہے، روح ہے، نورانی ہے

وہ سوے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کو وہ کمال حاصل ہوا کہ آج تک اس کی مقبولیت و دلپذیری میں کمی واقع نہیں ہوسکی بلکہ تمام اصحابِ تنقید و تاریخ کے مطابق ہر آنے والا دور آپ کی نعتیہ شاعری کی مقبولیت و ہر دل عزیزی میں اضافہ کررہا ہے۔ صرف آپ کی نعت گوئی پر ہی ڈاکٹریٹ اور ایم فل کی ڈگریوں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے مقالہ جات کا شمار کرنے بیٹھیں تو عقل محوِ حیرت ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے آپ کی نعتیہ شاعری کا احاطہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

''کسی ایک نعت گو نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کی ہیں بلکہ ان کے زیرِ اثر ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔

ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک مؤثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔''

جوں جوں ہم رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کی گہرائیوں میں اترتے ہیں ان کا وجود ایک رجحان ساز شاعر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ کے باطنی جذبات کو اپنی قلبی واردات سے ہم آہنگ اور مربوط کرکے صنفِ نعت کو نئے تخلیقی امکانات سے روشناس کرایا۔ قلبی تطہیر، ذہنی عبارت، ایمان افروزی کی بدولت ان کی نعتیں دنیائے شعر و سخن کے نعتیہ ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے انہیں اپنی ذات میں ایک پوری کائنات اور نعت کا ایک مکمل دبستان تسلیم کیا ہے۔ بلاشبہ ''حدائق بخشش'' فن کا معجزہ اور سرچشمۂ فیض ہے۔

حدائق بخشش میں حضرت رضا بریلوی نے بعض مشہور اساتذۂ فن کی زمینوں میں بھی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اس سے ان کا مقصد تفاخر

فن کا اظہار نہیں تھا بلکہ وہ توصیفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہر رنگ اور ہر پیرایا اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اسداللہ خاں غالبؔ نے ''کیوں'' کی ردیف میں ایک غزل کہی۔ جبکہ امام احمد رضا نے اس ردیف میں دو نعتیں کہی ہیں۔ کالی داس گپتا رضاؔ نے غالبؔ اور رضاؔ بریلوی کے ایک ایک شعر کے حوالے سے موازنہ پیش کیا ہے۔

غالب:

ہاں نہیں وہ خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

رضا:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی میں جائے کیوں

کالی داس گپتا رضاؔ لکھتے ہیں۔ مولانا نے ''میں'' ''کو'' ''سے'' سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل کو یک جان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ (سہو و سراغ۔ المیزان کا امام احمد رضا نمبر)

ان کا موازنہ ایک اور شعر میں دیکھیے۔

غالب:

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

رضا:

یادِ حضور کی قسم، غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں؟

دونوں کے ہاں اسلوب کا بانکپن خوب ہے۔ لیکن غالبؔ کے یہاں قنوطیت ہے اور رضاؔ کے ہاں رجائیت۔ دوسری نعت کے دو تین اشعار میں اسلوب کا بانکپن دیکھیے۔

یادِ حرم ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں؟
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا بٹھائی کیوں؟

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگسِ مست ناز نے جس سے نظر چرائی کیوں؟

اسی طرح غالب کی ایک غزل ''کہ یوں'' کی ردیف میں ہے۔ یہ نہایت مشکل ردیف ہے جس سے غالب جیسا بلند فکر ہی عہدہ برآہ ہو سکتا تھا مگر یہاں بھی امام احمد رضا کا قلم اپنے فنِ نعت گوئی کی جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے۔

قصرِ دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں
دل کو دے نور و داغِ عشق پھر میں فدا دو نیم کر
مانا ہے سن کے شقِ ماہ آنکھ سے اب دکھا کہ یوں
دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے میں فدا لگا کر ایک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

اسی طرح آپ کی بعض نعتیں امیر مینائی، داغ دہلوی کی زمین اور ردیفوں میں بھی ملتی ہیں جن میں آپ نے اسلاف کے بانکپن سے اشعار کے ایسے گل دسمن کھلائے ہیں جن سے ان کی معنی آفرینی، انداز بیان، سربلند تخیل اور لطافتِ خیال کا اظہار ہوتا ہے۔ ورنہ جہاں تک تقابل کا تعلق ہے تو نہ تو وہ امام احمد رضا کے پیش نظر تھا اور نہ ہی ہمارا موضوع ہے۔

سراپا نگاری ہر دور کے شعرا کے پیش نظر رہی ہے۔ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی سمیت تمام زبانوں کے شعرا نے اپنے اندازِ فکر کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراپائے اقدس کے بارے میں رقم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو میں محسن کاکوروی کی شاعری اس کی روشن مثال ہے۔ لیکن اس ضمن میں جو کمال امام احمد رضا کے حصے میں آیا وہ کسی اور کا مقدر نہیں بن سکا۔ متفرق نعتیہ اشعار اپنی جگہ، ان کی نعتوں میں تو بعض مقامات پر سراپا نگاری کے حوالے سے مسلسل اشعار جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ قصیدہ سلامیہ میں تو سراپا نگاری کا جادو

سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اس ضمن میں چند ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سراپاے مبارک کی نورانی جھلکیاں دلوں کے ایوانوں کو جگمگاتی محسوس ہوتی ہیں۔ محبوبانِ مجازی کا سراپا لکھتے ہوئے مبالغہ آرائی اپنی بلندیوں کو چھونے لگتی ہے مگر نعت میں تو مبالغہ آرائی بھی پابندِ شریعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور پھر امام احمد رضا کا قلم جو شریعت کی حدود سے لمحہ بھر بھٹکنے کو بھی تیار نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

سر تا بقدم ہے تن سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دندان و لب و زلف و رُخِ شہ کے فدائی
ہیں دُرِّ عدن، لعلِ یمن، مشکِ ختن پھول
کیا غازہ ملا گردِ مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں قیامت کی پھبن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
دل بستہ و خوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں ہے مرے آقا کا دہن پھول

حُسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیحِ دل آرا ہمارا نبی

گلزارِ قدس کا گُلِ رنگیں کہوں تجھے
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

نارِ دوزخ کو چمن کردے بہارِ عارض
ظلمتِ حشر کو دن کردے نہارِ عارض

میں تو کیا چیز ہوں خود صاحبِ قرآں کو شہا
لاکھ مصحف سے پسند آئی بہارِ عارض

ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے فقط یہ عرض کرنا چاہیں گے ''حدائق بخشش'' کے دوسرے درجنوں اشعار کے ساتھ ساتھ آپ کے قصیدۂ سلامیہ کے پہلے حصّے کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ قصیدۂ سلامیہ کے اشعار میں آپ کے سرِ اقدس کے گیسوؤں سے لے کر آپ کے پاے اقدس کے ناخنوں تک کو شعری حسن عطا کیا گیا ہے۔

لَیْلَةُ الْقَدْر میں مَطْلَعِ الْفَجْر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

غرضیکہ اس حوالے سے بھی امام احمد رضا کی شاعری کا مطالعہ کریں تو یہاں بھی ایک حیرت کدہ نظر آتا ہے کہ آپ کے قلم نے جدھر بھی رُخ کیا اپنی قادر الکلامی اور شعری سرفرازی کے سکّے بٹھادیے۔ آپ نے سراپا نگاری میں اگر تشبیہات و تراکیب اور دوسرے صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے مگر دامانِ شریعت کو کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ یہاں بھی آپ کی انفرادی احتیاط پسندی شعریت اور شریعت کے امتزاج کا خراج لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے قصائد بھی رقم کیے مگر شاہانِ عجم کے نہیں۔ قصیدہ ایک مشکل صنفِ سخن جو بہت سے لوازمات کا تقاضا کرتا ہے مگر احمد رضا تو بہت پہلے ہی یہ اعلان کرچکے ہیں۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کی فضیلت آبائی اور علمی مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے کئی

ریاستوں کے امرا اور سلاطین نے آپ سے اپنے ہاں آنے کی درخواست کے ساتھ ساتھ ہی یہ استدعا بھی کی کہ وہ آپ کے علمی اشغال کے تسلسل کے لیے مستقل اعزازی وظائف بھی مقرر کریں گے۔ مگر جو محبِ مصطفیٰ بازارِ حسن حضور علیہ التحیۃ والثنا میں بِک چکا ہو وہ کسی اور خریدار کی طرف کیا دیکھے۔ آپ نے بصد خلوص انکار فرمادیا۔ یہ کہتے ہوئے کہ میرے ربِّ کریم نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اتنا کچھ عطا کر رکھا ہے کہ اب کسی اور جانب نظر ہی نہیں اٹھتی۔ شاہانِ عجم اور سلاطینِ ہند کی پیش کشوں کو آپ نے پائے استحقار سے ٹھکرادیا۔ اور پھر جب سلطانِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قصیدہ نگاری کی جانب متوجہ ہوئے تو انوار کی برسات ہونے لگی۔ کس کس قصیدہ کا ذکر کیجیے ہر جگہ ہی عقیدت اور محبت و وارفتگی کا حُسن پھیلا ہوا ہے۔ چند قصائد کے مطلعے پیشِ نظر ہیں۔

قصیدۂ نوریہ:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

قصیدۂ سلامیہ:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

قصیدۂ معراجیہ:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

قصیدۂ درود:

کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

ان طویل قصائد کے علاوہ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم، حضرت علی المرتضی، سیدۃ خاتون جنت اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بھی مختصر قصائد کہے ہیں۔ ان قصائد کے علاوہ آپ نے ایک قصیدہ در ''اصلاحاتِ ہیئت'' بھی کہا ہے۔ یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے جس میں تمام تر علم ہیئت اور علمِ نجوم کی اصطلاحات ہیں۔ پورا قصیدہ ۱۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدہ کی بدولت جہاں آپ صنفِ قصیدہ پر غیر معمولی دسترس رکھتے دکھائی دیتے ہیں وہاں علم ہیئت اور علمِ نجوم آپ کے افکار کی کاسہ گدائی کرتے نظر آتے ہیں۔ سچ ہے کہ

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

آپ کی علمی و فقہی اور شعری سربلندیوں کے حوالے سے فکرِ رضا کے عظیم نقاد اختر الحامدی کی رائے ملاحظہ ہو:

''آپ کا مجموعۂ نعت حدائق بخشش نہ صرف عشقِ حبیب کی شعری تصویر ہے بلکہ نعت حبیب کا وہ مشرق ہے جس سے آفتاب عرب کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر کر کائناتِ حیات کو منور کر دیتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب و اثر نے الفاظ کو گویا زبان دے دی ہے اور وہ کوے حبیب کی حدیث سنا رہے ہیں۔ یہ خصوصیت، یہ اندازِ بیان، یہ سلیقۂ نعت آپ کے علاوہ اور کسی کے ہاں نظر نہیں آتا۔ آپ نے الفاظ میں عشقِ حبیب کا وہ طلسم پھونک دیا ہے کہ مفاہیم کی پرتّ پرت کھولتے چلے جایئے مگر شاعر کے جذبے کی گہرائی ہاتھ نہیں آنے پاتی۔''

(معارف رضا۔ سالنامہ ۱۹۸۶ ص ۱۶۷)

جس سلیقۂ نعت کا اختر الحامدی نے تذکرہ کیا ہے اسے اسلوب کی انفرادیت اور بیان کی یکتائی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس کی مدد سے شاعر اپنے حُسنِ تخیل اور حقائق کے امتزاج سے زبان و بیان کا حُسن بکھیر کر اس انداز میں بات کہہ جاتا ہے کہ پڑھنے والے حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔ ایک حقیقت کو شاعری کا ملبوس عطا کر دینا یا ایک مسلّمہ بات کو اسلوب کی ندرت کی بدولت ایسے بیان کرنا کہ کسی اور کو

سوجھی ہی نہ ہو۔ طرزِ ادا کی یہی رنگینی اور طُرفگی ہی رضا بریلوی کے کلام کو دوام بخش رہی ہے۔

شاہ احمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنے علم وفضل، زبان و بیان کی مہارت، شعری حرکیت اور ان سب پر مستزاد محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدّت وشدّت کو بروئے کار لا کر اپنی شاعری کو اسلوب کا بانکپن بخشا ہے۔

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو

جستِ بسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو

تنگ آئے ہیں دو عالم تری بے تابی سے
چین لینے دے تپِ سینۂ سوزاں ہم کو

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم المرسلینی امتِ اسلام کا مسلمہ ایمان ہے۔ رضا بریلوی کے ہاں یہ مضمون ایک نئے انداز میں دیکھیے۔

نہ رکھی گُل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

درج ذیل شعر دیکھیے کہ آپ نے امتناع النظیر کے مشکل مسئلہ کو کس طرزِ ادا سے آسان اور زود فہم بنادیا ہے۔

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گُل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

فاضل بریلوی اپنی دلی کیفیات اور طبعی واردات کا اظہار طرزِ ادا کی کس رنگینی اور بانکپن سے کرتے ہیں۔ ایک نظر دیکھیے۔

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
ارے تیرا برا خدا نہ کرے

حسین تشبیہات اور استعارات کے ساتھ اسلوب بیان کا انوکھا پن دیکھیے۔ زمین بھی مشکل ہے اور یہ اشعار وصفِ گیسوئے رسول میں کہے گئے ہیں۔

کعبۂ جاں کو پہنائے غلافِ مشکین
اُڑ کے آئے ہیں جو آبرو پہ تمہارے گیسو

سلسلہ پاکے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

مژدہ ہو قبلہ سے گھنگور گھٹائیں اُمڈیں
ابرووں پر وہ جھکے جھوم کے پیارے گیسو

امام احمد رضا کی اسی قادر الکلامی اور زبان و بیان کی ندرت لحاظ سے معروف محقق شمس بریلوی کی اس رائے کو پیش نظر رکھیے:

''جناب رضا قدس سرہٗ خاصانِ بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت ممتاز تھے۔ آپ کے یہاں منزل عشق کے تمام مدارج موجود ہیں۔ آپ نے اس راہ کو بڑی احتیاط سے طے فرمایا ہے۔ آپ نے فراق کا بیان بھی ملاحظہ فرمایا اور فراق کی ستم رانیوں کا ذکر بھی سنا۔ دیارِ محبوب کا اشتیاق بھی ہے اور درِ محبوب پر عرض بھی فرمارہے ہیں۔ لیکن تقدیس وتکریم کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ اور یہی وہ خصوصیت ہے جو جنابِ رضا کو تمام نعت گو شعرا میں اسی طرح ممتاز کرتی ہے جس طرح علمِ شریعت وطریقت میں آپ کا مقام دیگر علمائے کرام سے بہت ارفع واعلیٰ تھا۔''

(علامہ شمس بریلوی۔ حدائق بخشش کا ادبی جائزہ ص ۲۲۵)

گویا تمام محققین اور صاحبان اسرارِ تحقیق اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت احمد رضا خاں کے مضامین میں غیر معمولی تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے نعت کے میدان کو چُنا اور اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کر کے ثابت کردیا کہ نعت ہر قسم کے تخیلات کو شعری جامہ پہنانے کی قوت رکھتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ صنفِ نعت کے تقدس اور پاکیزگی کو

کسی لمحہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے اور ممدوحِ نعت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاماتِ عالیہ کے انوار سے دل و جان کو ہر آن بسا کر رکھا جائے۔ امام احمد رضا خاں کی شعری بلندیوں کا کیا کہنا آپ نے تو پامال سے پامال مضامین کو بھی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تر و تازہ اور حاصلِ ادب بنا دیا ہے۔

یہاں ہم امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے چند ایسے اشعار درج کر رہے ہیں جو ان کے فکری شکوہ کی علامت ہیں اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حُسنِ بیاں نے مضمون کو کیا سے کیا بنا دیا۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا تصور نگاہوں میں بسا رکھا ہے۔

الٰہی منتظر ہیں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا
رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن اُن کی رحمت کا

اور یہاں بھی رحمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور دیکھیے۔

بیچ میں آگ کا دریا حائل
قصد اس پار ہے کیا ہوتا ہے
کیوں رضؔا کڑھتے ہو، ہنستے اٹھو
جب وہ غفار ہے کیا ہوتا ہے

عرش جس خوبیِ رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھائے وہ ادائے گُلِ خنداں ہم کو

یا پھر تکوینِ عالم پر یہ اشعار دیکھیے۔

انہی کی بو مایۂ سمن ہے، انہی کا جلوہ چمن چمن ہے
انہی سے گلشن مہک رہے ہیں انہی کی رنگت گلاب میں ہے
وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

خدا بھی کریم ہے اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ تن کرم بنایا ہے۔ خدا تو خالقِ کائنات ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ شش جہات۔ رب دو عالم نے اپنے محبوب کو عظمتوں کی وہ بلندیاں عطا کیں کہ انسانی عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام تر نورانی اور بشری سرفرازیاں حاصل کر کے بھی کمال عجز سے خود کو خدا کے سامنے شکر گزار بندہ تصور کرتے ہیں۔ نعت میں افراط و تفریط کی گنجائش نہیں بڑے بڑے صاحبانِ فکر فرطِ عشق میں جادۂ حق سے بھٹک گئے اور حمد و نعت میں قدرے شوخ بیانی کا مظاہرہ کر گئے مگر یہاں تھے امتِ اسلام کے سب سے بڑے فقیہ اور شریعت پر حد درجہ دسترس رکھنے والے احمد رضا خاں جو اپنے اشعار اور نثر میں زمانے بھر کو حمد و نعت کا امتیاز سکھا رہے ہیں۔ آیئے ہم اس ایمان آفریں، ماحول کا ایک جلوہ دیکھنے کے لیے ان کے تین چار اشعار پیش کرتے ہیں۔

سرور کہوں کہ مالک مولا کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گُلِ زیبا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلاّ کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہے بری
حیراں ہوں میرے شاہا میں کیا کیا کہوں تجھے

اس طویل نعت کا یہ مقطع ہے شاہ احمد رضؔا کی زبان سے آدابِ عبدیت سکھا جاتا ہے۔

لیکن رضؔا نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

تاریخِ نعت گوئی کا مطالعہ جہاں ہمیں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے شعری کمالات سے آگاہی بخشتا ہے وہاں

احساس بھی عطا کرتا ہے کہ امام احمد رضا خاں کو یہ شعری مقبولیت اور تاریخ میں ہر دل عزیزی کس طور عطا ہوئی۔ اگر ہم اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے آگے بڑھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی جملہ شعری خوبیوں کا حقیقی ماخذ ان کی قرآن فہمی تھی۔ آپ قرآنِ حکیم کے مترجم ہی نہیں مفسر بھی تھے۔ زندگی بھر قرآنِ حکیم کی تجلیات سے ظلمت زدہ دلوں کو منور کرتے رہے۔ قرآنِ حکیم کے مطالعے نے ہی کمال درجے کی احتیاط پسندی سکھائی۔ یہ آپ ہی کا کمال ہے کہ حد درجہ احتیاط پسندی کے باوجود آپ کا کلام مقبولیت عام کی آخری منازل کو چھو رہا ہے اور تحدیثِ نعمت کے طور پر اس حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں۔

رہا نہ شوق کبھی مجھ کو سیرِ دیواں سے
ہمیشہ صحبتِ اربابِ شعر سے ہوں نفور
نہ اپنے کاموں سے تضییعِ وقت کی فرصت
نہ اپنی وضع کے قابل کہ اس میں ہوں مشہور
رہی وبال سے اس کے مجھے سبک دوشی
کہ ویسے ہی ہے سر پہ گراں بارِ حرم وقصور
مگر جو ہاتفِ غیبی مجھے بتاتا ہے
زبان تک اسے لاتا ہوں میں ممدوحِ حضور

یہ ہاتفِ غیبی ہی ہے جو ان سے ایسی نعتیہ شاعری لکھوا رہا ہے جس کا ہر شعر دوام کا حامل ہے۔ کس حُسنِ بیاں سے اپنی نعت گوئی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

قرآنِ حکیم سے آگے بڑھے تو شریعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم نے دامانِ نور کشادہ کر دیا۔ قرآنِ حکیم اور قرآنِ ناطق علیہ الصلوٰۃ والسّلام جُدا جُدا تو نہیں ہیں۔ ایک قرآن تیس پاروں کی صورت میں انوارِ کرم لٹا رہا ہے جبکہ قرآنِ ناطق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی قرآنِ مجید کی عملی شرح روشن ہیں۔ فاضل بریلوی نے قرآنِ حکیم اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ قدسیہ سے بھرپور روشنی اور راہنمائی لی اور تمام زندگی اس پر نازاں رہے کہ انہیں نعت نگاری کی بدولت ہی قرآن اور تعلیماتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام الناس تک پہنچانے کی سعادت عطا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بھی عاجزی اور فروتنی پیشِ نظر ہے اور زمانے بھر سے بے نیاز ہو کر مدحِ رسول ہی میں فنا ہو جانا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

کس منہ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیحِ بے مماثل ہوں میں
حقا کہ کوئی صفت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقص میں کامل ہوں میں

آج تمام نعت گو حضرت فاضل بریلوی کو امامِ سخن و بیاں قرار دیتے ہیں۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑ سکی بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ذہن وفکر کو آمادہ کرتا ہے تو امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے کلام بلاغت نظام سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ ''مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی صدائیں ابھرتی ہیں تو جہاں اصحابِ نظر کی پلکیں عشق وعقیدت کے آنسوؤں سے نم ہو جاتی ہیں وہاں تصورات کے نہاں خانوں میں نعت گو امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا جو روشن سراپا ابھرتا ہے وہ اس قدر سربلند اور سرفراز ہے کہ ان کے معاصرین اور عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا کا وجود اپنی تمام تر بلند قامتی کے باوجود اس کے سامنے سرِ عقیدت خم کرتا نظر آتا ہے۔ آپ نے زندگی بھر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصلِ ایمان سمجھے رکھا۔ اور خدا گواہ ہے کہ اس سے بڑی حقیقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اسی موضوع سے متعلق آپ کے اسی جاوداں جاوداں شعر پر اس تحریر کا اختتام کر رہے ہیں۔

انہیں جانا، انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

طارق سلطانپوری ...... دبستانِ رضا کا گلِ سرسبد

ما حلقہ بگوشِ سخنِ عشق و جنونیم

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

سیدی الوریٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھنا، پڑھنا اور سننا بامرِ الٰہی ایک عظیم عبادت ہے۔ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود و سلام بھیجنے کا جس میں زبان و قلم دونوں شامل ہیں، واضح حکم دیا ہے۔ [۱] یہ درود و سلام منثور بھی ہوسکتا ہے اور منظوم بھی۔ منثور صلوٰۃ و سلام کی بہترین مثال فنا فی الرسول، امامِ وقت، ولیِ کبیر، قطبِ شہیر، سید العارفین، حضرت الشیخ سیدنا ابوعبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی سملالی حسنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ولادت ۸۰۷ھ/۱۴۰۴ء۔ وفات ۸۷۰ھ/ ۱۴۶۵ء) کی مشہور زمانہ تالیف دَلَائِلُ الْخَیْرَات وَشَوَارِقُ الْاَنْوَارِ فِی ذِکْرِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

منظوم درود و سلام بے شمار لکھے گئے ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دورِ ہمایونی سے لے کر آج تک ہر دور، ہر علاقہ اور ہر زبان کے اہلِ ایمان شعراء نے منظوم درود و سلام لکھنے میں طبع آزمائی کی ہے اوران شاء اللہ یہ سلسلہ صبح قیامت تک جاری رہے گا بلکہ بروز حشر اور بعدِ حساب و کتاب جنت کی فضاؤں میں بھی جاری وساری رہے گا۔ لفظ ''نعت'' کے لغوی و اصطلاحی معانی کی تفصیل میں جائے بغیر مختصراً یوں سمجھئے کہ ان منظوم صلوٰۃ و سلام کو ہی نعت کہا جاتا ہے۔

عربی نعتیہ قصائد میں حضرت امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے قصیدۂ بردہ شریف کو جو شہرت و مقام ملا ہے، وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسی طرح فارسی زبان میں جید اور افاضل شعراء کرام نے نعتیں کہی ہیں مثلاً ابوسعید ابوالخیر (م ۴۴۰ھ/۱۰۴۹ء)، حکیم سینائی (م ۵۴۵ھ)، خاقانی نظامی گنجوی، فرید الدین عطار، شیخ سعدی وغیرہم اور دورِ جدید میں علامہ اقبال معروف نعت گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی (م ۱۹۲۱ء) نے بھی فارسی میں نعتیں کہی ہیں [۲] لیکن مولائے روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی شریف اور علامہ جامی قدس سرہٗ کے کلام کو جو مقبولِ عام نصیب ہوا، وہ شاید دوسروں کو نہیں مل سکا۔ ہندوستان کے دیگر فارسی شعراء میں حضرت امیر خسروؔ، عرفیؔ شیرازی، مرزا بیدلؔ، قدسیؔ، غالبؔ معروف ہیں۔

اردو نعت کا آغاز اردو زبان کی ابتداء کے ساتھ ہی ہوا۔ (سولہویں صدی عیسوی کا آخر اور سترہویں صدی کا آغاز) اردو زبان میں نعتیہ ادب کا پہلا نمونہ صوفیائے کرام کے قصائد، عارفانہ گیتوں اور جکریوں (ذکری اشعار) میں ملتا ہے جو انہوں نے تبلیغ اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائل کے بیان کے سلسلے میں لکھی گئی تصانیف میں شامل کیے ہیں [۳] جس میں دکن کے مشہور و معروف ولی اللہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمۃ والرضوان سرفہرست ہیں۔ ان کا قصیدۂ نعتیہ بہت مشہور ہوا جس کا مطلع ہے:

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجلو جم جم جلوہ تیرا
ذات تجلی ہوگی سیں سپورنہ سیرا

بعض دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

واحد اپنی آپ تھا اپیں آپ نجھایا
پر کٹھ جلوے کارنے الف میم ہو آیا

عشقوں جلوہ دینے کو کاف نون بسایا
لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضلا فضل جتنے مرسل ساجد سجود آئے
امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے

ان کے بعد فخر الدین نظامی، قطب علی شاہ اور ولی دکنی تک بہت سے صوفی شعراء کرام کے نام آتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے دور میں شمالی ہند میں سودا، میر، مصحفی، مومن وغیرہ کے نام نعتیہ شاعری کے حوالہ سے بہت نمایاں ہیں۔[۴]

شمالی ہند میں اردو نعتیہ شاعری کے دوسرے دور کی ابتداء کرامت علی شہیدی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا غلام امام شہید، مولانا لطف بریلوی اور مولانا تمنا مراد آبادی سے ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید، ان نعت گو شاعروں نے اردو نعت کو تقلیدی دور سے نکال کر تشکیلی دور میں داخل کیا۔ انہوں نے اپنے شغفِ نعت سے نہ صرف یہ کہ نعت گوئی کی ترویج وتشہیر میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں بلکہ نعت کے اعلیٰ نمونے بھی تخلیق کیے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب غزل کے دیوان کی طرح پہلی بار ردیف وار نعتیہ دیوان مرتب کرنے کا آغاز ہوا۔[۵] شہیدِ آزادی حضرت مولانا کافی قدس سرہٗ کا جب ذکر آیا ہے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے ایک واقعہ کا بیان اہلِ علم کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کا اعتراف تمام ناقدینِ نعتیہ ادب نے کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نعت گوئی میں آدابِ شریعت کا خاص خیال رکھتے تھے اس لیے وہ صرف ان شعراء کے نعتیہ اشعار سننا پسند فرماتے تھے جنہیں وہ سمجھتے تھے کہ وہ نعت گوئی میں آدابِ شریعت اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں امام صاحب کے ملفوظات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کسی شاعر نے آپ کو نعت سنانی چاہی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''سوا دو کے کلام کے، میں قصداً کسی کا کلام نہیں سنتا۔ مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اول سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔۔۔ باقی اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔'' [۶]

امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ شہیدِ جنگِ آزادی مولانا کفایت علی کافی علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری کے کس قدر دلدادہ تھے، وہ ان کی ایک رباعی سے بھی ظاہر ہے جس میں انہوں نے علامہ کافی کو اقلیمِ نعت کا سلطان تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مہکا ہے میرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطانِ نعت گویاں ہے رضا
ان شاء اللہ میں وزیرِ اعظم [۷]

بعض ناقدانِ فنِ نعت گوئی کے مطابق مولانا کفایت علی کافی کے دور کے بعد یہی روایت امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے دور تک پہنچ کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) نے نعت کے علاوہ غزل اور دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی لیکن ان کا زیادہ تر کلام نعتیہ موضوعات پر ہے۔ انہوں نے میلاد النبی ﷺ کے تمام مروج اور معروف ومقبول موضوعات پر نعتیں لکھی ہیں۔ ان کی ایک ترجیع بند

نعت جو تیرہ بندوں پر مشتمل ہے اور غزلِ مسلسل کے انداز میں لکھی ہوئی محامد خاتم النبیین ﷺ کے عنوان پر لکھی ہوئی ان کی نعتیں بہت مقبول ہوئیں اور مجالسِ میلاد شریف میں اکثر پڑھی جاتی رہی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

۱۔ترجیع بند:

کردو خبر یہ محفلِ میلادِ شاہ ہے
یاں آمدِ جنابِ رسالت پناہ ہے
اُمت چلے رسول (ﷺ) کی یہ جلوہ گاہ ہے
سیدھی یہی بہشت میں جانے کی راہ ہے
دربارِ عام گرم ہوا اشتہار دو
جن و بشر سلام کو آئیں، پکار دو [۸]

۲۔محامدِ خاتم النبیین ﷺ

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیں پیدا ہوا
انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا
نور جس کا قبلِ خلقت تھا، ہوا اس کا ظہور
رحمت آئی، رحمت اللعالمیں پیدا ہوا

....

چاہئے تعظیم کو اٹھیں جو ہیں محفل نشیں
نائبِ خاصِ خدائے ماء وطیں پیدا ہوا [۹]

ان کی غزلیہ نعتیں بھی بہت مشہور ہوئیں۔ عقیدت و محبت، عشق و سرمستی، جاں نثاری، شیفتگی و جاں سپردگی کا جذبہ ان کی نعتوں کی جان ہے۔ ایک مشہور نعتیہ غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

جب مدینے کا مسافر کوئی پاجاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہی مجھ میں طاقت
شوق کھینچے لئے جاتا ہے، میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے
مددائے شوق کہ میں پیچھے رہا جاتا ہوں [۱۰]

سید محمد محسن کاکوروی (م۱۳۲۳ھ) کے ہاں دیکھا جائے تو اردو نعت گوئی کے گذشتہ ادوار کے مقابلے میں پہلی بار اردو نعت گوئی کا فن تکمیلی مراحل طے کرتا نظر آتا ہے۔ تقلیدی اور تشکیلی ادوار کی روش سے ہٹ کر محسن کا نعتیہ کلام پہلی بار اردو نعت گوئی کی تاریخ میں نعت کا ایک مثالی معیار پیش کرتا ہے۔ مزید برآں ایک جداگانہ صنفِ سخن کے طور پر فنِ نعت کو متعارف کرانے کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ اس کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا تعین بھی کرتا نظر آتا ہے۔ بیشتر ناقدینِ فن نے محسن کاکوروی۔ کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان کی نعتوں میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اگرچہ نعت گوئی ہمیشہ سے موجود تھی اور اردو زبان کے ابتدائی مراحل میں بھی اس کا رواج تھا لیکن اسے فن کی حیثیت سے کسی اردو شاعر نے محسن سے پہلے اختیار نہیں کیا اور نہ ہی ان سے قبل جن لوگوں نے محض عقیدت کی بناء پر نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا، انہوں نے کوئی شاعرانہ کمال پیدا کیا۔ محسن کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ ان کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں یعنی عشقِ صادق، شیفتگی اور عقیدت، جو ان کی زندگی کے عناصر تھے، پر استوار ہے۔[۱۱]

غرض کہ محسن کاکوروی کا کلیات سراپا نعت ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری مختلف النوع اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ ان کی مثنویوں میں ''صبحِ تجلی'' اور ''چراغِ کعبہ'' زیادہ معروف ہیں جبکہ قصائد میں ''مدیحِ خیر المرسلین ﷺ'' جس کا دوسرا نام ''قصیدۂ لامیہ'' بھی ہے۔

مثنوی صبحِ تجلی تقریباً پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ابتدائیہ ملاحظہ ہو، کیا خوبصورت منظر نگاری ہے:

بیضاوی صبح کا سماں ہے
تفسیرِ کتابِ آسماں ہے

ہے خاتمہ شب دل افروز
دیباچہ نگارِ نسخۂ روز

آثارِ سحر ہوئے نمایاں
سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں

والیل کو ختم کرچکا ہے
آمادۂ دورِ والضحیٰ ہے

عنوانِ فلک ہے درِ منثور
لوحِ زریں سے ہے سورۂ نور

اطرافِ بیاضِ مطلع صاف
والفجر کے حاشیہ پہ کشاف [۱۲]

بے ساختہ رعایاتِ لفظی، جاندار تشبیہات و استعارات کا استعمال ان کے کلام کی خوبی ہے۔ مثنوی چراغِ کعبہ کے آخر میں مناجات کے چند اشعار میں یہی رنگ و آہنگ ہے:

اے پرتوِ مہرِ لایزالی
بے مثل مثالِ بے مثالی
شمعِ حرمِ خدانمائی
قندیلِ حریمِ کبریائی

......xxx......

جس طرح ملا تو اپنے رب سے
انداز سے شوق سے ادب سے
یوں ہی ترے عاصیانِ مہجور
اِک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے
دم میں رہِ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید
جس طرح سے صبحِ صادقِ عید

یاں شوق، خلوص و التجا ہو
واں میں ہوں، آپ ہوں، خدا ہو [۱۳]

محسن کاکوروی کے نعتیہ قصائد میں سرِ فہرست وہ لامیہ قصیدہ ہے جس کا عنوان مدیحِ خیر المرسلین ﷺ ہے، جس کا مطلع ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل [۱۴]

محسن کا یہ قصیدہ بہت مشہور ہوا۔ اس کی شہرت کی بناء پر ان کے دوسرے نعتیہ قصیدے ''گلدستۂ رحمت''، ''ابیاتِ نعت''، ''نظمِ دل افروز'' اور ''انیسِ آخرت'' اپنی فنی خوبیوں کے باوصف مشہور نہ ہوسکے۔

لیکن بایں ہمہ رنگ و آہنگ اور منفرد فنی خصوصیات اس قصیدہ کی بہاریہ تشبیب میں ہندوانہ رسم و رواج اور ہندوانہ مذہب و تہذیب سے خاص روایات، تقریبات و تلمیحات کی کثرت سے استعمال نے اس نعتیہ قصیدے کی فضاء کو ''مناسباتِ کفر'' کے رنگ میں رنگ دیا ہے جس کو بعض اہلِ علم اور ناقدانِ فن نے سخت گرفت کی ہے لیکن امیر مینائی اور بعض دیگر ناقدین شعر و ادب نے قصیدہ کی بہاریہ تشبیب کے آغاز میں ''مناسباتِ کفر'' (ہندوانہ رسم و رواج اور مذہب کی اصطلاحات) کے غیر مشروع استعمال کا دفاع کیا ہے اور سند میں مشہور عربی قصیدہ ''بانت سعاد'' کہ جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں، کی مثال پیش کی ہے کہ اس قصیدہ کو سید عالم ﷺ کے حضور پڑھا گیا اور رسول مجتبیٰ و مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔ [۱۵]

عصرِ جدید کی نعتیہ شاعری کی ابتداء جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) سے ہوتی ہے اور قیامِ پاکستان (۱۹۴۷ء) تک اردو شعر و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے موضوعات اور لب و لہجہ میں بھی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اسلوبِ بیان میں جدت طرازی کے ساتھ نعتیہ شاعری تشکیلی

دور سے نکل کر ارتقاء پذیری کی طرف گامزن ہوئی۔ یہ دور ہندوستان میں قومی وملّی تحریکوں کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں جو دیکھا جائے تو تقریباً ایک صدی پر محیط ہے، مسلمانانِ ہند کے جذبہ جہادِ آزادی اور اس کے لیے چلنے والی قومی وملّی تحریکوں نے بھی اردو نعت کے موضوعات اور اسالیب کو متاثر کیا۔ چنانچہ نعت کے موضوعات میں سید عالم آقا و مولیٰ رسولِ اکرم ﷺ کے حضور مصائبِ آلام پر انفرادی عرضِ حال، استمداد اور استغاثہ کی بجائے قومی وملی آشوب پر اجتماعی استغاثے کی صورتیں سامنے آنا شروع ہوئیں۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

> ''عصر جدید کی نعت گوئی کا بڑا دھارا ملّی وقومی موضوعات لیے ہوئے ہے۔ اس میں رسولِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے بیان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تذکارِ سیرتِ رسول ﷺ سے نعت گو شاعروں نے اصلاحِ احوال کا کام لیا اور معجزات اور جمالِ محمدی ﷺ کے بجائے آنحضرت ﷺ کے پیغام اور سیرت کو نعتوں کا موضوع بنایا گیا۔'' [۱۶]

امام احمد رضا خاں رضا بریلوی (م ۱۹۲۱ء) اسی دور کے مشاہیر نعت گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔

اس دور کے دیگر مشاہیر نعت گو شعراء حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء)
۲۔ مولوی شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء)
۳۔ مولوی سید علی حیدر نظم طباطبائی (م ۱۹۳۳ء)
۴۔ مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی (م ۱۹۰۸ء)
۵۔ آسی سکندرپوری (م ۱۹۱۶ء)
۶۔ درگا سہائے سرور (م ۱۹۱۰ء)
۷۔ دلّو رام کوثری (م ۱۹۳۱ء)
۸۔ مولانا محمد علی جوہر (م ۱۹۳۱ء)
۹۔ مولانا حامد رضا خاں حامد بریلوی (م ۱۹۴۲ء)
۱۰۔ راجہ کشن پرشاد شاد حیدرآبادی (م ۱۹۴۰ء)
۱۱۔ مولانا حسرت موہانی (م ۱۹۵۱ء)
۱۲۔ بیدم وارثی (م ۱۹۴۴ء)
۱۳۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال (م ۱۹۳۸ء)
۱۴۔ اکبر وارثی میرٹھی (م ۱۹۵۴ء)
۱۵۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی (م ۱۹۸۱ء)
۱۶۔ مولوی ظفر علی خاں (م ۱۹۵۶ء)
۱۷۔ حفیظ جالندھری (پ ۱۳۱۷ھ) [۱۷]

''محسن کے بعد امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۲۱ء) نے اردو کی نعتیہ شاعری میں چار چاند لگا دیے۔ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو ہندوستان کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء میں اسی شہر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بلاشبہ وہ اپنے دور کے ایک جید عالمِ دین، متبحر حکیم، عبقری فقیہہ، صاحبِ نظر صوفی، بے نظیر مفسر قرآن، عظیم محدث، سحر بیان خطیب، صاحبِ طرز قلم نگار، شاعر، ادیب اور تصانیف کثیرہ کے مالک تھے۔

ان کے عہد تک اردو شاعری عاشقانِ مجازی کے پیچ وخم میں الجھی رہی اور محرماتِ شرعیہ کی ترغیب وتشویق اس کی انتہائی منزل تھی۔ امام احمد رضا کا یہ احسان ہے کہ شعر وشاعری کی اس مکدر فضاء کو خواجہ میر درد نے مصفّٰی ومزکّٰی کیا اور عشق ومحبت کے سچے جذبات سے اردو شاعری کو روشناس کیا اور بقول شاعر یہ پیش گوئی فرمائی۔

پھولے گا اس زبان میں گلزارِ معرفت
یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

اور مولانا احمد رضا اس گلزارِ معرفت میں نسیمِ سحر بن کر آئے۔ اگر وہ نہ آتے تو گلشن پر بہار نہ آتی۔'' [۱۸]

اردو کے معروف نقاد ڈاکٹر ریاض مجید، امام احمد رضا کی شخصیت اور نعتیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''(مولانا احمد رضا خاں بریلوی) برصغیر کے معروف عالمِ دین ہیں۔ محسن کاکوروی کے بعد اردو کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں جنہوں نے اپنے شغفِ نعت اور اجتہادی صلاحیت سے اردو نعت کی ترویج وارتقاء میں تاریخ ساز کام کیا۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا کی ذات ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفاء اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں کے ذوقِ نعت کو جلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملا۔

''حدائقِ بخشش' مولانا احمد رضا خان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے، وہ مولانا کے تبحرِ علمی کا ہے۔ مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فنِ نعت میں برتا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن وحدیث سے لے کر منطق وریاضی، ہیئت ونجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات وغیرہ علوم وفنون کی مختلف اصطلاحوں کو نہایت سلیقے سے برتا۔'' [۱۹]

ڈاکٹر ریاض مجید ایک اور جگہ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی نعت گوئی اور فروغِ نعت میں ان کی خدمات اور مستقبل کے نعت گو شعراء پر ان کے اثرات کا ایک نہایت جامع جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اردو نعت کی ترویج واشاعت میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک مؤثر تحریک، نعت کا درجہ رکھتا ہے۔'' [۲۰]

حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری اور اس میں پنہاں ان کے فکری وعلمی پیغامات اور عشقِ رسول ﷺ کو مہمیز لگانے والی حرکی قوت کے مستقبل کی نعت کی تاریخ پر اثرات کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر منظر عالم جاوید صدیقی صاحب کا یہ تبصرہ بھی بڑا فکر انگیز ہے۔

''یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ نے اردو نعت کی تاریخ میں عصرِ حاضر کے نعت گوؤں پر سب سے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ انہوں نے اپنے شغفِ نعت اور اجتہادی صلاحیت سے نعت کی ترویج وارتقاء میں عہد ساز کام کیا۔ اپنے وسیع مطالعہ کو بھرپور انداز میں فنِ نعت میں سمویا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن وحدیث، منطق وریاضی، ہیئت ونجوم، ہندسہ، مابعد الطبیعیات اور مختلف علمی وفنی اصطلاحات وحوالہ جات کو نہایت نفاست اور تخلیقی انداز سے اپنی نعت گوئی کا جزو بنایا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے اظہار میں مختلف علوم وفنون کے بیان سے نہ صرف اپنی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے بلکہ اردو نعت کے علمی وفکری دائرے کو بھی وسعت دی ہے۔'' [۲۱]

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ ''اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی'' میں امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کے مضامین و موضوعات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''سید محمد محسن کاکوروی نے بلاشبہ نعت کو فن و ادب کے مقام پر پہنچا کر اسے ایک اعلیٰ شاعری کا درجہ دیا۔ یہ فن پہلی بار انہی کے ہاں تکمیل آشنا ہوتا ہوا نظر آیا۔ لیکن امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے نعت کو نئی سمتوں اور جہتوں سے آشنا کیا۔ اسے علمی اور شرعی وقار کا بھی حامل بنایا۔ مضامین و موضوعات کی وسعت، تکنیک سازی، ساختیاتی و لسانی تجربے کے اعتبار سے یہ محسن سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ محسن کی زبان بے شک دیرپا اور حسین ہے لیکن رضا کے یہاں ایسی بھی غزلیں ہیں جن پر جدید شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ رضا کا انداز نرالا ہے۔ لگتا ہے الفاظ نگینوں کی مانند انگشتریٔ شعر میں خیال و جذبہ کے ساتھ خود بخود فٹ ہوتے چلے گئے ہیں۔ ان کا کلام بالکل وہبی اور الہامی معلوم ہوتا ہے۔ معنی آفرینی سے پر سادگی کا نمونہ ہے۔

محسن کا کلام اس قدر اپیلنگ (appealing) اور اثر آفریں نہیں ہے جس قدر رضا کا کلام ہے۔ محسن کے یہاں خارجیت کا غلبہ ہے مگر رضا کے ہاں داخلیت کا۔'' [۲۲]

علامہ سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے شاعری کی سب سے مشکل صنف یعنی نعت کو مشقِ سخن کے لیے منتخب کیا۔ انگریزی ادب میں لارڈ ٹینی سن، فارسی میں سعدی و شیرازی اور اردو میں جوش کے ذخیرۂ الفاظ کی بڑی دھوم ہے۔ ذرا حدائقِ بخشش کے اوراق الٹئے، زبان و بیان کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جس رنگ و آہنگ کو پیش کیا ہے وہ دوسروں کے نصیب میں اس لیے نہیں کہ دوسرے یا تو معشوق کی زلفوں کے خم میں پھنسے رہ گئے یا غلو و مبالغہ کے دلدل میں۔ اعلیٰ حضرت نے جو کچھ لکھا قرآنِ مقدس اور حدیث حمید کی روشنی میں لکھا، خود فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

امام احمد رضا کے تبحر علمی اور وسعتِ فکری کے سامنے شعر گوئی کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن آپ نے شاعری برائے شاعری نہیں کی بلکہ اسے اپنے اظہارِ مسلک کا ذریعہ بنایا اور اپنے کلامِ بلاغت نظام سے اردو شاعری کے دامن میں صالح شعر و ادب کے وہ موتی بکھیرے جس کی مثال پوری دنیائے شاعری میں بہت کم ملے گی، ان کی نعت کا یہ مقطع تعلّی نہیں بلکہ حقیقت کا بیان ہے۔

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم'' [۲۳]

خلاصۂ کلام یہ کہ امام احمد رضا کے نعتیہ کلام نے اپنے اور بعد کے آنے والے دور میں جس میں عصرِ جدید بھی شامل ہے جسے ۱۹۴۷ء کے بعد کا دور کہا جاتا ہے، شعر و ادب کے سرمایہ، شریعت و طریقت کے معمولات اور مسلم تہذیب و تمدن پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ تحریکِ آزادیٔ ہند بالخصوص تحریک پاکستان جو عشقِ مصطفی ﷺ سے سرشار ہو کر اور نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے چلائی گئی اس پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی فکر اور ان کے متوسلین علماء، ادباء، شعراء، دانشورانِ ملت کی مساعی جلیلہ کی گہری چھاپ ہے۔ اس لیے ان کا منثور و منظوم کلام ہماری قومی، تہذیبی اور ادبی وراثت کا حصہ ہیں۔ بقول ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی:

''جذبہ و فن، مضامین و موضوعات کی وسعت اور مختلف ادبی و علمی اوصاف کے اعتبار سے اردو نعت گوئی کی تاریخ میں امام احمد رضا کا مقام سب سے زیادہ بلند و بالا ہے اور اگر کیفیت کے اعتبار سے ان کی نعت

گوئی پر کوئی شاعری اترتی ہے تو (وہ) صرف سید محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری ہے۔ امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ تقدیس، جذبہ، اور طہارتِ لفظی کی راہ! نعت کی ترویج واشاعت میں امام احمد رضا بریلوی کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی ہے۔" [۴۴]

بقول ڈاکٹر انور سدید:

"حضرت رضا بریلوی نے نعت کے شجر سایہ دار کو پاکستان اور ہندوستان کی مٹی میں اگانے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہندوستان و پاکستان کے لوگوں میں زیادہ مقبول اور ان کے دلوں سے زیادہ قریب ہے۔ اس نعت نے گم کردہ راہ مسافروں کو وحدت اور نبوت میں یقین پختہ کرنے میں بڑی معاونت کی ہے۔"

(خیابانِ رضا، ص:۴۵)

عصرِ جدید کے دور کے آخر میں کچھ شاعر ایسے بھی سامنے آئے جنھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد کی ادبی و شعری فضا بالخصوص نعت کو بہت متاثر کیا۔ ان میں درج ذیل نعت گو شعراء قابلِ ذکر حیثیت رکھتے ہیں: سہیل اعظم گڑھی، امجد حیدر آبادی، عزیز لکھنوی، حمید صدیقی، ماہر القادری، مولانا ضیاء القادری، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، راسخ عرفانی، اعظم چشتی، عاصی کرنالی، عزیز حاصل پوری، قمر یزدانی، بہزاد لکھنوی، شمس مینائی، درد کاکوروی، شمس بریلوی، الفت کاظمی امروہوی، اثر صہبائی، اسد ملتانی، اختر الحامدی، انور صابری، کوثر جائسی، کوثر امجدی، ادیب رائے پوری، قتیل دانا پوری، حق بنارسی، شمیم جے پوری، عثمان عارف، طیش صدیقی، عمر انصاری، حیات وارثی، قیصر وارثی لکھنوی، والی آسی، تسلیم فاروقی، اسلم بستوی، نسیم بستوی، قمر سلیمانی، راز الہ آبادی، بیکل اُتساہی، کوثر نیازی، عبد العزیز خالد، خالد نقشبندی، فنا نظامی کانپوری، شفیق جونپوری، سرور انبالوی، مولانا ریحان رضا خاں ریحان بریلوی، مولانا اختر رضا خاں اختر بریلوی، معراج فیض آبادی، صابر براری، حفیظ جالندھری، حفیظ تائب، انور جلال پوری، وسیم بریلوی، اقبال عظیم، مظفر وارثی، طارق سلطانپوری، ابو الحسن واحد رضوی، راجہ رشید محمود، احسان دانش، محشر رسول نگری، راغب مراد آبادی، محمد علی ظہوری، تابش قصوری، عارف محمود، مہجور رضوی، خواجہ غلام فخر الدین سیالوی، رحمان کیانی، ارم حسانی، نصیر الدین نصیر گولڑوی، نظمی مارہروی، درد اسعدی، اعجاز رحمانی، سرور اکبر آبادی، منیر الحق کعبی بہل پوری وغیرہم۔

پاکستان میں فروغِ نعت کے حوالے سے سن ۶۰ء اور سن ۷۰ء کی دہائی بہت اہم ہے۔ اس دور میں بڑے سیاسی انقلابات آئے اور معاشرتی تبدیلیاں ہوئیں۔ قادیانیت کے خلاف (خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں) علامہ ابو الحسنات قادری علیہا الرحمۃ کی قیادت میں تحفظِ ناموس و عقیدۂ ختم رسالت کی تحریکیں چلیں۔ ہندوستان سے دو جنگیں لڑی گئیں، پھر علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمۃ کی سربراہی میں تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ چلی، ملی نغمے لکھے گئے، معروف شعراء کرام نے نعتیہ قصائد، غزلیں اور بزرگانِ کرام بالخصوص سیدنا علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا صاحب علیہ الرحمۃ، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اور دیگر بزرگانِ کرام کی شان میں منقبتیں لکھیں اور عام جلسوں میں پڑھی جانے لگیں۔ غرض کہ جذبۂ حبِ رسول ﷺ اور اس کے ضمن میں حبِ وطن کے جذبے کو ہر طرح سے ابھارا گیا۔ اسی دوران برصغیر پاک و ہند کے اہلِ سنت سے تعلق رکھنے والے اہلِ درد علماء، اسکالر، دانشوروں اور اہلِ علم و قلم نے امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے غیر مطبوعہ فتاویٰ اور نایاب و مخطوط تصانیف کی اشاعت کی مہم چلائی۔ اس کے سربراہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے صاحبزادۂ اصغر مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خاں تھے اور ان کے تلامذہ و تلامذۂ تلامذہ، اساتذہ و اراکین مصباح العلوم جامعہ اشرفیہ مبارکپور (اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا) نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ادھر

پاکستان میں حضرت حکیم موسیٰ امرتسری مرحوم نے مولانا عارف ضیائی صاحب، مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ، علامہ عبد الحکیم شرف قادری، مولانا عبد النبی کوکب علیہما الرحمۃ اور دیگر مخلصین احباب کے ساتھ مل کر مرکزی مجلسِ رضا (مؤسسہ ۱۹۶۸ء) کی بنیاد ڈالی اور امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے علماء کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ طبقوں کے نمائندہ اسکالرز سے مقالات لکھوائے گئے اور ۲۵ رصفر امام احمد رضا کے یومِ وصال کو یومِ رضا کے طور پر منانے کا اہتمام کیا جانے لگا۔ اس موقع پر ہر سال سیمینار کا اہتمام ہوتا جن میں جامعات اور کالجوں کے اساتذہ، علماء اور دانشور حضرات مقالات پڑھتے اور پھر یہ مقالات کتابی صورت میں شائع ہوتے۔ حکیم موسیٰ مرحوم اور علامہ اختر شاہجہاں پوری علیہما الرحمۃ کی ترغیب وتشویق پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری نقشبندی صاحب ☆ امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اَسّی اور نوے کی دہائی تک امام احمد رضا کے حوالے سے پروفیسر صاحب کے لکھے ہوئے تحقیقی مقالات مثلاً فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات، حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، فاضلِ بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، گناہِ بے گناہی، عبقریٔ شرق، وغیرہم نے جدید علمی، تحقیقی و ادبی حلقوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ اہلِ علم وقلم امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ اسی دوران کراچی میں ۱۹۸۰ء کے اواخر میں حضرت مولانا سید ریاست علی قادری علیہ الرحمۃ کی سربراہی اور قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور علامہ شمس بریلوی مرحوم اور علامہ مفتی تقدس علی خاں علیہ الرحمۃ کی سرپرستی میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا قیام عمل میں آیا جس کا راقم بھی ایک بنیادی رکن ہے۔ پھر تو گویا دبستاں کھل گیا۔ امام احمد رضا پر تحقیقات کے دروازے وا ہوگئے۔ ملکی اور غیر ملکی سطح پر ایم۔ فِل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جانے لگے۔ بحمد اللہ اب تک ۲۵ ملکی اور غیر ملکی اسکالرز پی۔ ایچ۔ ڈی کی اسناد حاصل کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود صاحب اور ادارۂ ہٰذا کی کاوشوں کی بدولت پشاور سے چٹا گانگ اور وہاں سے لے کر جامعہ ازہر کے ایوانِ علم ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی گونج سے گونجنے لگے۔ اب حال یہ ہے ''گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں''۔ اس پسِ منظر میں ''دبستانِ رضا'' سے حبِّ رسول ﷺ کی خوشبوئیں چہار طرف پھیلنے لگیں، کلامِ رضا سے اٹھنے والی حبِّ رسول ﷺ کی خوشبو کے بھبھوکوں نے ''بلبلانِ باغِ مدینہ'' کو مست کر دیا۔

☆ افسوس کہ دنیائے اہلِ سنت کا یہ عظیم محقق، رضویات کا ماہر ۲۸ راپریل ۲۰۰۸ء کو کراچی میں انتقال فرما گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (وجاہت)

رضاؔ بریلوی کے قصیدۂ نوریہ جس کا ایک مصرعہ ''مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا'' محافلِ نعت ومیلاد میں جھوم جھوم کر پڑھا جانے لگا۔ فروغِ نعت کو مہمیز ملی، شعراء کرام طرز واندازِ رضاؔ میں نعتیں کہنے اور پڑھنے لگے۔ ایک زمانہ تھا کہ حضرت رضاؔ بریلوی نے آج سے تقریباً سوا سو سال قبل سلطانِ نعت گویاں شہید جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء علامہ مولانا مفتی کفایت علی کافیؔ علیہ الرحمۃ کے ''سوزِ دروں'' کے حصول کے لیے یوں اظہارِ تمنا کیا تھا۔

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں
تا عرش پروازِ فکرِ رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضاؔ
کافیؔ کا درد دل کہاں سے لاؤں؟

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کے صدقے ان کو خوب نوازا، ان کے قلبِ مجلّٰی ومصفّٰی پر علم وعرفان اور معرفت وحکمت کی وہ موسلا دھار بارش ہوئی کہ ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر سطر اور زبان

سے نکلا ہوا ہر شعر خلقِ خدا کی زبان بن گیا، اہلِ علم و معرفت نے انہیں ''صاحبِ امروز''، ''اعلیٰ حضرت''، ''امام وقت''، ''مجددِ عصر'' کہا اور ان کا کلام ''کلام الامام امام الکلام'' کی سند حاصل کر گیا۔ ''دبستانِ رضا'' کے غنچے چٹکنے لگے، بلبلیں چہکنے لگیں، خالدؔ نقشبندی نے دعا کی ؎

دردِ جامی ملے نعت خالدؔ لکھوں
اور اندازِ احمد رضا چاہیے

تابشؔ قصوری یوں مدحت سرا ہوئے ؎

یا الٰہی حشر تک سنتا رہوں
نعتِ حضرت (ﷺ)، مدحتِ احمد رضا

عزیزؔ حاصل پوری نئے انداز سے نغمہ سرا ہوئے ؎

ہر طرف نہریں ہیں جاری آپ کے فیضان کی
قلزمِ عرفان و حکمت حضرتِ احمد رضا
آپ ٹھہرے اِک امام نعت گویانِ رسول (ﷺ)
میرِ بزمِ فنِ مدحت حضرتِ احمد رضا

''دبستانِ رضا'' کے ایک گوشے سے محمد علی ظہوری کی یہ فردوس گوش آواز کانوں میں رس گھولنے لگی ؎

مجھے بھی اقتداء حاصل ہے ان کی نعت گوئی میں
ظہوریؔ در حقیقت وہ امامِ نعت گویاں ہیں

خم خانۂ رضاؔ کے کیف و کم چشیدہ ارمؔ حسانی مست و بے خود ہو کر یوں لب کشا ہوئے ؎

بقا ہے اس کی نعتوں کو ابھی ہے دم قدم اس کا
خُمِ نعتِ نبی سے ہے عبارت کیف و کم اس کا

حافظ مظہر الدین حافظؔ دبستانِ رضا سے وابستہ دورِ جدید کے نعت گو شعراء میں ایک مستند و معتبر نام ہے۔ وہ حدائقِ بخشش کے گل چین بھی ہیں اور سیاح بھی۔ رضاؔ بریلوی کا طرز، اسلوب، علمی انداز، کیف و تاثر ان کے اشعار سے جا بجا جھلکتا ہے۔ رضاؔ بریلوی کی طرح ان کی نعتوں میں حبِ رسول ﷺ مدحِ جمالِ رسول ﷺ کے ساتھ پیغام و ارشاداتِ رسول ﷺ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ ان کے اشعار جدت طرازی اور نکتہ آفرینی کے مظہر ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو، اعلیٰ حضرت کے برادرِ اصغر حسنؔ بریلوی کا رنگ نمایاں ہے ؎

اللہ کو مرغوب ہیں کیا تیری ادائیں
''قل'' کہہ کے سنی بات بھی اپنی ترے لب سے [۲۵]

حسنؔ بریلوی کا اسی مضمون میں شعر ہے ؎

''قل'' کہہ کر اپنی بات بھی لب سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند [۲۶]

بقول ڈاکٹر ریاض مجید ''نعت گوئی حافظؔ کے فن کا کوئی مختلف زاویہ نہیں بلکہ ان کا فن ہی نعت گوئی ہے۔'' [۲۷]

جب طارقؔ سلطانپوری صاحب کا آتش جوان تھا اور وہ اردو شاعری کے ''بے وفا'' اور ''ہرجائی''، ''محبوب'' کے خیالی لب و رخسار اور عارضی و فانی حسن اور اس کے مرجھا جانے والے لب و رخسار و عارض کی مبالغہ آمیز تعریف و تحسین کے نغمے الاپ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو زندگی کے لق و دق صحراء میں صنم کدے کی نیرنگیوں اور بوقلمیوں پر بے محابہ نچھاور اور برباد کر رہے تھے کہ اچانک حافظؔ صاحب بصورتِ خضر ادھر آ نکلے اور ان کی دستگیری فرماتے ہوئے فرمایا ؎

ادھر آ ہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں
فلک کو یاس سے منزل بہ منزل دیکھنے والے

حافظؔ صاحب اعلی اللہ تعالیٰ مقامہ طارقؔ کو ''حدائقِ بخشش'' کی سیر کو لے گئے۔ وہاں کے گل بوٹوں سے ان کی آنکھیں روشن ہوئیں اور دل و ذہن معطر۔ سیر سے فارغ ہوئے تو مڑ کر دیکھا کہ وہ اب تک بے مقصد اور لا حاصل روایتی شاعری کے لق و دق ریگستان میں محض چند لمحوں کی واہ واہ کی خاطر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ امام احمد رضا محدثِ

بریلوی علیہ الرحمۃ کی روح نے دستگیری فرمائی اوران کی زندگی کا دریائے شورعبور کرواکر انہیں ساحلِ مراد تک پہنچادیا جہاں ان کے دل میں ''عشقِ رخِ شہ کا چراغ'' روشن ہو چکا تھا جس نے ان کے تن وجاں کو پھونک ڈالا۔ یہاں ساحلِ مراد پر پہنچ کر طارقؔ نے ''جہادِ عشقِ صادق'' کی راہ اختیار کی اور ''عشقِ مجازی'' کی وہ تمام کشتیاں جوانہوں نے اپنے فانی ہرجائی، خیالی محبوب کے بہلاوے کے لیے گل وبلبل اور جام وسبو کے استعاروں سے بنائی تھیں، امام احمد رضا کا یہ شعر پڑھ کر جلا ڈالیں۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی، وہ آگ لگائی ہے [۲۸]

جس جذبۂ عشقِ صادق کے تحت طارق بن زیاد نے اپنی کشتیاں جلا کر ''جبلِ طارق'' کی چوٹی سر کی تھی، اسی جذبہ کے تحت جناب طارقؔ نے ایک عظیم پہاڑ کی چوٹی سر کی جسے ''جبلِ عشقِ صادق'' کہا جاتا ہے۔ اس مہم کی سرکوبی میں جب تشنگی حد سے بڑھی تو یہ دعا کی۔

گدا ہے ساقیِ کوثر تہی سبو طارقؔ
عطائے خاص سے پُر اس کا جام ہو جائے [۲۹]

بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ان کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ انہیں بارگاہِ نبوی سے وہ کچھ عطا ہوا جوانہوں نے مانگا تھا اور وہ کچھ بھی جو نہیں مانگا تھا۔

مِرے حالات سے حاجات سے وہ بے خبر کب تھے
جو مانگا اور جو نہ مانگا گیا، بخشا گیا مجھ کو

پھر جو کچھ عنایاتِ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس سے ان پر ہوئیں، انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

سنہری جالیوں کو دیکھنا بخشا گیا مجھ کو
مِری اوقات تھی کیا اور کیا بخشا گیا مجھ کو
برائے مغفرت ذوقِ ثنا بخشا گیا مجھ کو
متاعِ عشقِ محبوبِ خدا بخشا گیا مجھ کو
مجھے وصفِ محمد (ﷺ) کے لیے اس کی ضرورت تھی
بہت سرمایۂ فکرِ رضاؔ بخشا گیا مجھ کو
جھلک جس میں ہے نعتِ رومیؔ واقبالؔ و جامیؔ کی
وہ طرزِ مدحت و رنگِ ثنا بخشا گیا مجھ کو
مجھے شامل کیا خیلِ ثناء گویانِ خواجہ میں
گدازِ کافیؔ و سوزِ رضاؔ بخشا گیا مجھ کو
درِ حضرت پہ میری حاضری کا بن گیا موجب
جنوں بخشا گیا تو کام کا بخشا گیا مجھ کو

لیکن مدحت نگاری کی یہ عظیم صلاحیت جو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولِ مکرم ﷺ کی طرف سے بلاشبہ طارقؔ سلطانپوری کے لیے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ یہ سب کچھ کس کے رابطہ، کس کے واسطے، کس کی برکت اور کس کے فیضِ روحانی سے انہیں عطا ہوا؟ کس ''نسخۂ کیمیا'' کے استعمال سے ان کا قلبِ زنگ آلود مجلّٰی ومصفّٰی، چشمِ روشن وبینا اور قلم روِ نعتِ سرورِ ہر دوسرا ﷺ میں رواں دواں ہوا؟ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیں:

''اللہ تعالیٰ نے مجھ ہیچ مدان کو جو ذوقِ شعر وسخن اور سرمایۂ فکر و خیال ودیعت فرمایا ہے، اسے بچپن سے آغازِ شعور تک بے مقصد و لایعنی موضوعات ومعاملات کی نذر کرتا رہا۔ طالبعلمی کے دور میں وقتی وہنگامی نوعیت کے مسائل پر اور شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ روایتی طور پر گل وبلبل، لب ورخسار اور عارض وگیسو کی مبالغہ آمیز تعریف و تحسین میں اس متاعِ بے بہا کو صرف کرتا رہا۔ پھر کافی عرصہ تک سیاسی صنم کدے کی نیرنگیاں اور بوقلمونیاں موضوعِ نگارش رہیں اور نادانی سے اس فضول سعی وکاوش ہی کو اپنا عظیم کارنامہ سمجھتا رہا اوراس طویل عرصے میں نعت حبیب پاک ﷺ کا خیال واحساس بمشکل ہی کبھی دل ودماغ میں جاگزیں ہوسکا۔

خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں ایک سلیم الطبع وخوش فکر کرم فرما،

حضرت حافظ مظہر الدین نے مطالعہ نعت اور نعت نگاری کی تلقین کی اور ساتھ ہی ''حدائقِ بخشش'' از اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا ایک نسخہ بھی مرحمت فرمایا اور پورے ذوق وشوق سے اس کے تفصیلی مطالعے کا پُر زور اصرار کیا اور اس نسخہ ''کیمیا'' کا مطالعہ شروع کیا تو دل ودماغ میں

گویا دبستاں کھل گیا

اس سے پہلے اساتذہ فن کی کہی ہوئی نعتیں عموماً پڑھی تھیں لیکن مجھے اس حقیقت کا برملا اظہار واعتراف کرنے میں ذرہ بھر تامل نہیں کہ ''حدائقِ بخشش'' کے مطالعہ سے جو کیف وسرور جو قلبی انشراح وروحانی انبساط حاصل ہوا اور نعت کا جو فہم وادراک نصیب ہوا وہ پہلے میسر نہ تھا۔ میں ایک کج مج بیان ہیچ مدان کسی لحاظ سے بھی کسی فنی اور ادبی حیثیت کا مالک نہیں، نعت نگاری ایک زمانے سے میرا وظیفہ حیات ہے۔ اس وظیفہ حیات کو اختیار کرنے پر مجھے ''حدائقِ بخشش'' نے آمادہ کیا۔ اب نعت نگاری میرا سامانِ زندگی ہے، میری روح اور میری متاعِ حیات ہے۔ یہ ''حدائقِ بخشش'' کا مطالعہ نصیب نہ ہوتا تو کئی دیگر ہم عصر حضرات کی طرح میں بھی بے مقصد اور لاحاصل روایتی شاعری کے لق ودق صحرا میں بھٹکتا پھرتا۔

یہ سب حدائقِ بخشش کا فیض ہے طارق
حبیب پاک (ﷺ) کے مدحت نگار ہم بھی ہیں'' [۳۱]

گویا احمد رضا کے ''حدائقِ بخشش'' طارق سلطانپوری کے لیے آقا ومولیٰ سید عالم ﷺ کی عنایات کا ذریعہ اور ''رابطۂ بخشش'' بن گئے۔ دوسرے الفاظ میں اور خود طارق سلطان پوری کے مندرجہ بالا اعتراف کی روشنی میں اعلیٰ حضرت ان کے روحانی مربّی اور استاذ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طارق کی نعت میں امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی طرح نعتِ رسول اکرم ﷺ سے وابستگی وعقیدت اور صاحبِ موضوع (ﷺ) سے شیفتگی ومحبت کی شدت کی جولانی اور آپ (ﷺ) کے دشمنوں، گستاخوں سے نفرت وبیزاری کا اظہار شروع سے آخر تک یکساں اور مؤثر انداز میں جاری وساری نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ مقالہ اس اعتبار سے طارق سلطانپوری کے کلام پر تفصیلی تبصرہ کا متحمل نہیں ہوسکتا کیونکہ راقم کا یہ مقام ومنصب نہیں، دنیائے شعروادب بالخصوص جہانِ نعت کا کوئی عارف ہی اس موضوع پر قلم اٹھا سکتا ہے لیکن ''دبستانِ رضا'' کے ترجمان دورِ جدید کے اس عظیم شاعر کے کلام پر اجمالاً کچھ گفتگو ہوسکتی ہے۔

مسلمانوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ سید الانبیاء ﷺ ہر حال وآن اپنے امتی کے احوال سے باخبر رہتے ہیں، خواہ آپ ﷺ حیاتِ ظاہری میں ہوں یا اپنے مزار شریف میں محوِ استراحت ہوں یا میدانِ حشر میں ہوں۔ امام احمد رضا نے اس عقیدہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

دنیا مزار حشر جہاں ہیں غفور ہیں
ہر منزل اپنے چاند کی منزل غُفر کی ہے [۳۲]

طارق کس قدر سادگی وبرجستگی کے ساتھ اسی جذبہ وعقیدہ کی ترجمانی درج ذیل اشعار میں کرتے ہیں۔

ہر جگہ وہ مری بہبود کا رکھتا ہے خیال
عرش پر یا مرا سلطان مدینے میں رہے
حالِ امت سے وہ رہتا ہے بخوبی آگاہ
لاکھ امت کا نگہبان مدینے میں رہے

حرمین طیبین کی حاضری کے موقع پر طارق نے اپنی وارداتِ قلب امام احمد رضا کے طرز وانداز بلکہ بعض ''حدائقِ بخشش'' کی بحروں میں پیش کی ہیں اور کہیں کہیں ان کے مصرعوں کی گرہیں بھی لگائی ہیں۔ مثلاً ان کی نعت کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں، مگر اس سے پہلے اعلیٰ حضرت کی ایک نعت شریف کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے لبریز چند اشعار پڑھیں:

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے
بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف
ہوش میں جو نہ ہو، وہ کیا نہ کرے
دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
ارے تیرا بُرا، خدا نہ کرے
دل سے اِک ذوقِ مے کا طالب ہوں
کون کہتا ہے اِتّقا نہ کرے
لے رضؔا سب چلے مدینے کو
میں نہ جاؤں، ارے خدا نہ کرے

اب ذرا طارقؔ کا رنگ و انداز بھی اسی لے اور نے میں دیکھئے، اقبال کا حسنِ تمنا اور رضؔا کی سرشاری و جانثاری صاف جھلک رہی ہے۔

یہ لطف خاص بھی اب وہ گدا نواز کرے
مجھے بھی گامزنِ جادۂ حجاز کرے
رہِ حرم میں مجھے بھی ادب شناس کوئی
رفیقِ راہ بنائے، شریکِ راز کرے

.... xxx ....

یہ سوچتا ہوں کہ بے دیدِ طیبہ کیا ہوگا
اگر وفا مری عمرِ گریز پا نہ کرے
کسی طرح جو پہنچ جاؤں تو قیامت تک
خدا حضور کے در سے مجھے جدا نہ کرے

طارقؔ کی ''حدائقِ بخشش'' کی سیر و سیاحت سے محبت اور بارگاہِ رضا میں ''ادب شناسی'' کا یہ ثمرہ تھا کہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کے لیے رضؔا بریلوی کی روح ان کی پیشوا بنی۔ یہی نہیں بلکہ طارقؔ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ گذشتہ کئی صدیوں کے پیکرِ نور سخن وراور ثناء گو بھی ان کے ساتھ زمزمہ خوانی کے لیے درِ رسول ﷺ پر حاضر تھے۔ اس کا اعتراف طارقؔ بھی بہت کھلی زبان سے کررہے ہیں:

کیا حسن کیا جمال درِ مصطفیٰ کا تھا
ہر گام پر تھے نور کے پیکر کھڑے ہوئے
بوصیریؔ و سنائیؔ و قدسیؔ، رضؔا، امیرؔ
اقبالؔ و رومیؔ جیسے سخنور کھڑے ہوئے
کافیؔ، گرامیؔ، سعدیؔ، ضیاءؔ، محسنؔ و حسنؔ
حسانؔ، جامیؔ جیسے ثناگر کھڑے ہوئے

ان تمام بزرگ اساتذۂ فن کی روحانی (اور کیا عجب کہ تصویر ادب و اخلاق کے ان پیکروں کی جسمانی موجودگی کا خوشگوار لمس بھی طارقؔ نے محسوس کیا ہو) موجودگی نے سرکارِ ابدقرار ﷺ کے بابِ جود و کرم کے دروازے طارقؔ پر وا کردیئے چنانچہ وہ برجستہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے۔

محسوس ہورہا ہے کہ طارقؔ ہم آج بھی
سرکار کے ہیں بابِ کرم پر کھڑے ہوئے [۳۵]

انہوں نے مذکورہ ''عاشقانِ جیلِ مشتاقانِ پیغمبر'' کی جلو میں سید و سرور ﷺ کی بارگاہِ مقدس کے کچھ ایسے جلوے بھی دیکھے جو ان کے تصور سے بھی ماوراء تھے:

خوشا دیکھی مقدس جلوہ گاہِ سید و سرور ﷺ
جمیل و خوب تر، میرے تصور سے کہیں بڑھ کر
عیاں ہے اس کی بے تابی مگر کتنا مؤدب ہے
ہجومِ عاشقاں و خیلِ مشتاقانِ پیغمبر [۳۶]

امام احمد رضا کے قصیدۂ سلامیہ کے مقطع کا قطعہ بند ہے:

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضؔا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

راقم کو جب بھی درِ اقدس پر باریابی نصیب ہوئی تو صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یہ دعائیہ مقطع بھی آہستہ آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھا۔ طارقؔ سلطانپوری بھی اسی عاشقِ صادق کے مداح ہیں جن کا نامِ نامی امام احمد رضا ہے۔ عجب اتفاق کہ ان کو بھی جب بارگاہِ اقدس میں

باریابی نصیب ہوئی تو انہوں نے مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام پیش کرنے کے بعد ایک نئے لب ولہجہ میں برجستہ امام احمد رضا کی اسی تمنا کو سرِ حشر اپنی مطلب برآوری کے لیے پیش کیا:

دیکھوں درِ رحمت کے دوبارہ بھی نظارے
سرکار کی دہلیز پہ میں مانگتا کیا اور
طارق سے سرِ حشر کہیں کاش یہ قدسی
ہاں مدحتِ سرکار میں اشعار سنا اور [۳۷]

سبحان اللہ غالب کی زمین ہے لیکن تمنا عرش نشینی کی! راقم کے ایک محب جناب الحاج نثار احمد صاحب (مالک پراچہ ٹیکسٹائل ملز، کراچی) جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بڑے مداح اور سچے عاشقِ رسول ﷺ ہیں، ہر سال انہیں اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے فضل سے حرمین شریفین کی حاضری اور بالخصوص آقا و مولیٰ ﷺ کے قدمین شریفین میں صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ (۲۰۰۶ء) رمضان ۱۴۲۷ھ میں راقم عازمِ عمرہ ہوا تو ان سے ملنے گیا۔ فقیر نے ان سے دریافت کیا کہ جب مواجہ اقدس میں حاضری ہو تو یہ گنہ گار وہاں کیا دعا مانگے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ بارگاہِ اقدس میں صرف یہ عرض کریں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جو کچھ احمد رضا نے آپ سے مانگا تھا۔ وہی احمد رضا کا یہ غلام بھی آپ سے مانگ رہا ہے۔ بات ایک عاشقِ صادق کی تھی اور ایک عاشقِ صادق کے حوالے سے تھی، دل کو لگ گئی۔ فقیر نے گرہ میں باندھ لی۔ فقیر کے خیال میں برِ صغیر پاک و ہند کا اہلِ محبت سے وابستہ کوئی بھی فرد جب بھی سید عالم ﷺ کے درِ اقدس پر حاضری دیتا ہے تو رضا بریلوی کے قصیدۂ سلامیہ کے چند اشعار ضرور پڑھتا ہے اور "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کا مقطع پڑھ کر یقیناً مداح خوانِ رسول ﷺ کے اس پاکیزہ جماعت میں شامل ہو جاتا ہے جو سرِ حشر داورِ محشر ﷺ کی آمد پر صلوٰۃ و سلام کی صورت میں استقبالیہ نغمے یک زبان ہو کر سنائے گی "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"۔ عصرِ حاضر میں عشاقانِ رسول ﷺ کے امام و پیشوا امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ ہیں اور جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ان احسان یافتہ افراد کے گروہ سے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ "وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا" یعنی اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ راقم یہ بات محض عقیدت و محبت کی بناء پر نہیں کہہ رہا ہے بلکہ اردو نعت گوئی کے معروف نقاد اور محققین کا یہی فیصلہ رہا ہے۔ چنانچہ یوسف سلیم چشتی امام احمد رضا کے اس قصیدۂ سلامیہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ "اسے یقیناً شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا کیونکہ ہندوستان و پاکستان میں شاید ہی کوئی عاشقِ رسول ﷺ ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں۔" [۳۸]

ظاہر ہے "حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا" کے زمرے میں بروزِ حشر عشاقانِ رسول ﷺ ہی شامل ہوں گے جبکہ ان کے مخالفین کے مونہوں پر تو اس دن گرد پڑ رہی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ O تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ O

(عبس ۸۰:۴۰،۴۱)

طارق سلطانپوری بھی اپنے ذوقِ ثناء اور وصافیِ رسولِ خدا (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے "حَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا" کے گروہ میں شامل ہیں، دنیا میں بھی اور ان شاء اللہ عقبیٰ میں بھی، وہ اپنی اس ارجمندی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

مرے خدا نے بڑا ارجمند مجھ کو کیا
بنایا آپ کا وصّاف دے کے ذوقِ ثنا [۳۹]

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی نے جب دوسرے سفرِ حج کے بعد زیارتِ روضۂ اقدس کے لیے رختِ سفر باندھا تو بہجت و سرور کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ نے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے حضور دو قصیدے فی البدیہہ تحریر کیے۔ پہلے کا عنوان رکھا "حاضری بارگاہِ بہیں جاہ (۱۳۲۴ھ)" وصل اول رنگ علمی، "حضور جانِ نور" (۱۳۲۴ھ) اور دوسرے کا عنوان "حاضریٔ درگارہِ ابدی

پناہ (۱۳۲۴ھ)، وصلِ دوم رنگِ عشق'' رکھا۔ پہلے قصیدے میں ۶۲ اور دوسرے میں ۱۶۳ اشعار ہیں۔ پہلے قصیدے کے دو مطلع ملاحظہ ہوں:

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے
ناشکر یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

دوسرے قصیدہ کے چند اشعار بھی دیکھیں:

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
سونپا خدا کو یہ عظمت کس سفر کی ہے
ہم گردِ کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے

ذرا اسی بحر، ردیف وقوافی میں طارق کے اشعار ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے منظوریٔ درخواستِ حج کی خوشخبری پر ارتجالاً انہی جذبات کے تحت کہے:

لایا نویدِ حاضریٔ شہر ہائے پاک
آمد سعید آج مرے نامہ بر کی ہے
میں نے گذاری اس کی تمنا میں ایک عمر
یہ کیفیت جو آج مری چشمِ تر کی ہے [۴۰]

پھر ''روانگی'' کے عنوان سے ایک نعت لکھی جس کے پہلے شعر میں اعلیٰ حضرت کے پہلے قصیدہ ''حاضریٔ بارگاہِ بہیں جاہ'' کے مطلع کے پہلے مصرعہ پر تضمین کہی۔ رنگِ تغزل اور رنگِ رضا کی آمیزش ملاحظہ ہو۔ صرف دو شعر پیش کیے جاتے ہیں:

جس کا کہ ایک عمر سے طارق تھا انتظار
''شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے''
یہ لطفِ بے کراں ہے خدائے کریم کا
یہ بخششِ عمیم شہِ بحر و بر کی ہے

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کلامِ رضا کا حسنِ تغزل اور طرز و ادا ہمیں طارق کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے لیکن ان سب کے باوجود طارق جدید نعتیہ شاعری میں اپنا ایک جداگانہ اسلوب اور منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ وہ اردو و فارسی کے ایک قادر الکلام نعت گو شاعر ہیں۔ عربی زبان سے بھی انہیں خاصا شغف ہے۔ وہ بیک وقت غزل، قصائد، منقبت، تاریخ گوئی اور تضمین نگاری اور دیگر اصنافِ سخن میں ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور شعر و ادب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں۔ تضمین نگاری کے نمونے تو ان کے کلام میں جگہ جگہ ملتے ہیں لیکن تضمین نگاری پر ان کا بڑا کام امام احمد رضا کے قصیدۂ سلامیہ ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے ۱۷۱ اشعار پر ان کی دو تضمینیں ہیں، فی الحال اس تضمین پر نقد و نظر موضوعِ سخن نہیں لیکن راقم یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتا ہے کہ کم از کم اس کے علم تک برصغیر پاک و ہند میں کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے سلامِ رضا کے تمام اشعار پر دو تضمینیں کہی ہوں۔ یہ انفرادیت طارق سلطانپوری کو حاصل ہے۔ اگرچہ سلامِ رضا کے اشعار پر بہت سے نعت گو شعراء نے تضمین کے طور پر طبع آزمائی کی ہے جبکہ تمام اشعار پر مکمل تضمین معدودے چند نے کی ہے جس میں مولانا سید مرغوب احمد اختر الحامدی کی تضمین بہت مقبول و معروف ہوئی اور برصغیر پاک و ہند میں میلاد النبی ﷺ کی محافل میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ فارسی غزل میں حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ سے بہت متاثر ہیں جس کی جھلک ان کے فارسی کلام میں جا بجا ملتی ہے۔ اس کے علاوہ غالب، خسرو، سعدی، رومی، جامی اور علامہ اقبال کے فارسی کلام پر بھی ان کی گہری نظر ہے جس کے نمونے ان کے کلام میں اکثر نظر آتے ہیں۔

حالی سے سہیل اعظم گڑھی تک نعت گوئی میں جو عنصرِ عصرِ جدید

کی عطا ہیں، ان کا ذکر افتخار اعظمی نے سہیل کے فکر وفن کے حوالے سے کیا ہے۔ اقبال سہیل کی نعت جو اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے سبب عصرِ جدید کی نمائندہ نعت ہے، اس کی جو خصوصیات ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' میں تحریر کیے ہیں[۴۲] میں سمجھتا ہوں تھوڑے سے حذف و اضافہ سے طارق سلطانپوری کی نعت گوئی کے رویوں اور میلانات میں بھی جھلکتی ہیں:

۱۔ جوشِ عقیدت، خلوصِ جذبات اور غیرتِ عشق کا برملا اظہار

۲۔ تاریخ اسلام کے صحیح اور مؤثر واقعات کی تلمیح اور شاعرانہ پیرایہ میں مستند احادیث و روایات کا اقتباس (و ترجمہ) یا ان کی تفسیر و تشریح۔

۳۔ توحید و رسالت کا صحیح اسلامی شعور جو سلف سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت چلا آرہا ہے اور جو ہمارے عقیدہ وایمان کا اصل سرچشمہ ہے۔

۴۔ توحید کی آڑ میں شانِ الوہیت، مقامِ رسالت اور عظمتِ اولیاء کی تنقیص کی کوششوں کا نعت گوئی کے ذریعہ سدِ باب اور گستاخانِ بارگاہِ رسالت کی ہجو اور گرفت، شانِ الوہیت اور مقامِ مصطفیٰ کا مثبت انداز میں دفاع۔

۵۔ سید عالم ﷺ، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء و صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان و عظمت بلند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ لہٰذا ان سب کا اس طرح ذکر کرنا کہ ان کی عزت و عظمت اور احترام کا جذبہ دل میں پروان چڑھے نہ کہ معاذ اللہ ان میں سے کسی کی تنقیص کا پہلو نکلے۔

۶۔ سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر اس پیرائے میں اظہارِ خیال کہ اسلامی نظریات وعقائد کی مکمل توضیح بھی ہو جائے۔

۷۔ بزمِ رسالت ﷺ کے ارکانِ خاص کے مقام و مرتبہ کا صحیح تعین اور اس کے اعتبار سے ان کے فضائل و کمالات کا تجزیہ۔

۸۔ نعت و منقبت کے ضمن میں فلسفہ و حکمت کے بہت سے رازہائے سربستہ کی عقدہ کشائی۔

۹۔ شاعرانہ محاسن کی آمیزش مگر اس درجہ نہیں کہ جذبہ کی شدت اور خیال کی قوت میں کوئی کمی واقع ہو۔

۱۰۔ تخیل اور حقیقت میں کامل ہم آہنگی۔ [۴۳]

مذکورہ بالا ان خصوصیات کی روشنی میں اگر کلامِ طارق کا جائزہ لیا جائے تو ان میں مجموعی طور پر مذکورہ رویے اور میلانات جھلکتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں اگر امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی طرح الفاظ و معنی کا حسن اور مولانا حسن رضا حسن بریلوی کی زبان و بیان کی گونج موجود ہے تو دوسری طرف ان کے پیش رو غالب، حافظ، خسرو، سعدی، رومی، جامی اور علامہ اقبال کے نعتیہ اشعار کی ہلکی مگر مؤثر آواز بھی شامل ہے۔ طارق کے ہاں حافظ مظہر الدین کی طرح ہیئت کے تجربے اور نعت گوئی میں عبارت کی یکسوئی اور انہماک پایا جاتا ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعہ میں ایک عاشقِ رسول ﷺ کے سفرِ عشق کے سچے جذبات و کیفیات اور قلبی واردات و مشاہدات کی متنوع جھلکیاں ملتی ہیں۔ صبا کے ذریعہ بارگاہِ سرکارِ دوعالم ﷺ میں پیغام رسانی کا جذبہ بھی نظر آتا ہے۔ ایک خوش نصیب زائرِ حرم کی معرفت ۱۲ اشعار پر مشتمل ایک التجا نامہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا گیا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

زیارتِ درِ والا نصیب ہو مجھ کو
قیامِ شہرِ مدینہ نصیب ہو مجھ کو

التجا نامہ نامہ بر لے کر گیا لیکن بے تابیٔ شوق نے سرکارِ کرم سے صبا کے دوش پر اذنِ حاضری چاہی۔

لائے گی صبا حاضری کا مژدہ کسی روز
طارق شبِ ہجراں کی سحر ہو کے رہے گی [۴۴]

یہ شعر شاعر کے حسنِ ذوق کی داد کا طلبگار ہے۔ طارق کے پیشرو

ممدوح عشقِ مجسم حضرت مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامؔی نور اللہ مرقدہٗ نے صبا کے دوش پر ایک التجا نامہ بارگاہِ سید الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا تھا جس کا وجد آگیں مطلع ہے۔

کہ بود یارب کہ رو در ''طیبہ'' و بطحا کنم
گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

ہجر کی گھڑیاں بڑی کٹھن ہوتی ہیں۔ اس کا کرب و درد تو کچھ وہی عاشقِ صادق جانتے ہیں جو اس منزل سے گذرتے ہیں، بالخصوص اس حالت میں کہ نامہ برعرض داشت لے گیا ہو اور عاشقِ صادق اس کی واپسی کی راہ دیکھ رہا ہو۔ اس کی کیفیت بقول حسؔن بریلوی انتظارِ وصل میں کچھ یوں ہوتی ہے۔

کس تمنا پر جئیں یارب اسیرانِ قفس
آ چکی بادِ صبا باغِ مدینہ چھوڑ کر [۴۵]

طارؔق کے درد و کرب کو حسن رضا حسؔن بریلوی نے محسوس کیا کیونکہ وہ اس راہ کے رہرو ہیں۔ انہوں نے عالمِ بالا سے ان کی رہنمائی کی اور تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

اے حسؔن خیر ہے کیا کرتے ہو؟
یار کو چھوڑ کر اغیار سے ربط [۴۶]

تم سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست یعنی ان کے ولی اور عاشقِ صادق نور الدین جامؔی سے کیوں رابطہ نہیں کرتے اور ان کے ذریعہ استغاثہ بارگاہِ شہنشاہِ مدینہ میں کیوں نہیں پیش کرتے؟ بات طارؔق کی سمجھ میں آ گئی، ان کی آنکھیں کھل گئیں، وہ خود بھی جامؔی کے شیدائی ہیں۔ ان کے مقام مرتبہ کے عارف اور سلطان دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین تک ان کی اعلیٰ رسائی کے معترف ہیں، انہوں نے عالمِ ارواح میں شہیدِ محبت حضرت علامہ جامؔی قدس سرہٗ کی روحِ مبارک سے رجوع کیا اور ان کی معرفت اپنی زبان میں ان کا کہا ہوا منظوم استغاثہ بارگاہِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں پیش کیا:

کون سا ہوگا وہ دن یارب کہ بطحا جاؤں گا
جلوہ زارِ مکہ دیکھوں گا، مدینہ جاؤں گا
خلد نظارہ، جناں بردوش ہو باب السلام
یا ہو بابِ جبرئیل، آنسو بہاتا جاؤں گا
اپنے در پر یارسول اللہ بلالیجئے مجھے
سر کے بل جاؤں گا، باذوقِ تماشا جاؤں گا
مجھ کو جنت کی نہیں ہے آرزو، در آپ کا
ہے مری جنت، نہ میں اس در سے حاشا جاؤں گا
میں ہوں معذور اضطراب و اشتیاقِ دید میں
ہر گھڑی لکھتا ہوں نامہ اور لکھتا جاؤں گا [۴۷]

جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اخلاص اور استغراق کی تاثر دیکھئے، دو ہی سال بعد یعنی ۱۹۹۹ء میں انہیں اذنِ حاضری کا مژدہ ملا۔ طارؔق اسے اپنے عشقِ جنوں خیز کی کامرانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

درِ حضرت پہ میری حاضری کا بن گیا موجب
جنوں بخشا گیا تو کام کا بخشا گیا مجھ کو

پھر درِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر نوازشوں کی جو بارشیں ہوئیں، وہ خود ان کے الفاظ میں سنیں:

جو ہیں نامِ آقا پہ مٹ جانے والے
وہ ہیں دائمی زندگی پانے والے
انہیں بھی نہ رحمت سے محروم رکھا
ہمیشہ رہے جو ستم ڈھانے والے
بد اندیش کی بھی بھلائی کے خواہاں
عدو پر بھی ہیں رحم فرمانے والے
نوازا ہمیں تُو نے اتنا کہ اب ہم
کہیں بھی نہیں ہاتھ پھیلانے والے
تُو قاسم اور ہم تیرے محتاجِ نعمت
بحمد اللہ ہم ہیں ترا کھانے والے

جب آئے تو یہ کس قدر شاداں تھے
خفا ہیں ترے شہر سے جانے والے
درِ خواجہ سے اور جاؤں کہیں کیوں
یہ لمحے نہیں بار بار آنے والے
ترے شہر میں موت آئے مجھے بھی
ترے شہر والے ہوں دفنانے والے
رہے ان میں طارق بھی سرکار شامل
درِ پاک پر ہیں جو لوگ آنے والے [۴۸]

نوٹ: واضح ہو کہ یہ نعت شریف امام احمد رضا بریلوی کی اس مشہور نعت کی بحر، قافیہ اور ردیف میں ہے جس کا مطلع ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

بلاشبہ طارق نے زیرِ نظر نعت میں جدطرازی اور انفرادیت دکھائی ہے۔

اس وقت طارق سلطانپوری صاحب کا مذکورہ بالا سفرِ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ مقدسہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء کے مشاہدات و محسوسات کا تذکرۂ دلنواز معنون بہ ''تجلیاتِ حرمین'' موسوم بہ اسمِ تاریخی ''رابطۂ بخشش'' پیش نظر ہے جس کی بنیاد پر ان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے چند کلمات اس ہیچمدان کو لکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پروفیسر حسن عسکری کاظمی صاحب (حسن ابدال) نے ''تجلیاتِ حرمین پر ایک طائرانہ نظر'' کے عنوان سے ایک مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے کیونکہ یہ اقتباس ہمارے ممدوح وصّاف نبی مکرم ﷺ کی نعت گوئی کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، وہ ہے ان کی غیرتِ ایمانی اور حمیتِ عشقِ رسول ﷺ:

''طارق سلطانپوری نے منظوم سفرنامے میں مسجد الجن، غارِ حرا، غارِ ثور اور المولد النبی کے ذیل میں تفصیلی محاکمہ پیش کیا ہے۔ ان میں موجودہ سعودی حکومت کی توحید اور اس کے تصور کہ ''استخفافِ شانِ مصطفائی'' قرر دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حبیب خدا کے گھر کو بے زیب و زین چھوڑ کر اسی ارضِ پاک پر بلند و بالا جاگیریں کھڑی کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ خانہ کعبہ کی بلندی قریباً اڑتیس فٹ ہے لیکن گرد ونواح میں کئی منزلہ عمارتوں کی بلندی ڈیڑھ سو فٹ سے تجاوز کرتی نظر آتی ہے۔ بہرحال اصل بلندی اور ترفع اور معنوی سطوت خدا کے نزدیک ان ظاہری بلندیوں سے مختلف ہے۔ سعودی فرماں رواؤں اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک شعائر اللہ کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے جتنے مقدس آثاران کے عہدِ حکومت سے پہلے موجود تھے، ان سب کو مٹا دیا اور عالمِ اسلام کے احتجاج پر بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اس لیے وہ ان آثار سے عقیدت کو بھی شرک تصور کرتے ہیں حالانکہ تعظیم کا مفہوم عبادت سے مختلف ہے اور تعظیم ان صاحبانِ عظمت کے لیے واجب ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعامات فرمائے اور جن کے راستے پر قائم رہنے کی دعا نماز میں شامل ہے۔ ظاہر ہے ان سے تمسک کے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں۔ ان کے ورثے کو باقی رکھنا صاحبانِ ایمان کا وہ حسنِ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کا طواف اور جملہ مناسکِ حج اور وہ سب مقامات محترم ہیں جہاں جہاں حضور نبی اکرم (ﷺ) اور وفا شعار صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نقوشِ قدم ثبت ہیں۔ ان مقامات پر سجدہ بھی اس لیے کیا جائے کہ ہم گناہگاروں کو یہ اعزاز عطا کیا جاتا ہے اور ہم سجدۂ شکر بجالا کر بارگاہِ خداوندی میں اپنی دعاؤں کے تسلسل کو باقی رکھ سکیں کہ اس نے تعظیم کے لائق ہستیوں کے حضور ہماری حاضری کا اہتمام فرمایا اور آتشِ جہنم سے بچالیا:

مرا بدن چھوئے گی نہ دوزخ کہ اس سے ہے
ٹھنڈی ہوائے شہر پیمبر لگی ہوئی

بخشش کے لیے در پہ بلالیتے ہیں آقا
ہم جیسے غلاموں کی انہیں فکر بڑی ہے

اب نارِ جہنم کا مجھے ڈر نہیں طارق
میری بھی نظر گنبدِ خضرا پہ پڑی ہے

طارق سلطانپوری نے تجلیاتِ حرمین میں مسجد قبلتین، مسجد قبا، کوہِ احد اور جنت البقیع کی زیارت کرتے ہوئے ان سب کی مختصر ترین تاریخ کو بھی سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ فرصت کے لمحوں کو غنیمت خیال کرتے ہوئے نعتِ رسول مقبول ﷺ کہنے اور اسی کیف زا اور پُرنور ماحول میں اس سلسلہ تخلیق کو آگے بڑھانے کا عمل جاری رکھا۔ حضور کے روضۂ اقدس کی سنہری جالیوں کو نگاہوں سے چومنے اور سامنے کھڑے رہنے کے عرصہ قیام میں عابد نظامی کی زمین میں اشعار کہے۔ یہ تیرہ اشعار کی نعت ان کی عقیدت اور حسنِ اظہار کا مظہر ہے۔

خالی رہ جائے کسی سائل کا دامانِ طلب
کب یہ امکاں ہے سنہری جالیوں کے سامنے [۴۹]

یقیناً ہر زائرِ حرمِ رسول ﷺ اپنی تمام زندگی کا یہ خاص لمحہ کہ جب وہ حضور پاک سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے، اس کی خوش نصیبی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس منظوم سفرنامے کی خوبی یہ ہے کہ عام فہم، رواں اور پاکیزہ انداز و بیان کا حامل ہے جسے پڑھتے ہوئے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ یہ جی چاہتا ہے کہ طارق سلطانپوری کی طرح ہم بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوں۔''
(تجلیاتِ حرمین، ص: ۶۸ تا ۷۰)

طارق سلطانپوری حرمین شریفین پر قدم رکھتے ہی وہاں کے آثار اسلامی بالخصوص سرورِ کائنات ﷺ ان کے صحابۂ کرام، ازواجِ مطہرات، اہلِ بیت اطہار اور صلحائے امت سے منسوب مقابر، مساجد اور مکانات کی بے حرمتی اور تباہی دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو رونے لگتے ہیں اور غیرتِ عشق و ایمان جوش میں آجاتی ہے اور والیانِ نجد و حجاز کے عزازیلی مسلک و مذہب کو عالمِ اسلام کی خرابی و تباہی و بربادی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اپنے دلِ حزیں کے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں کہ یا اللہ ان پر قیامت کیوں نہیں ٹوٹ پڑتی؟ خاتم الانبیاء سرورِ ہر دوسرا ﷺ کی جائے ولادت، مکان عالیشان جنت نشان کی زیارت کے موقع پر اپنے جذبات کا اظہار ''المولد النبی ﷺ'' کے عنوان سے یوں فرماتے ہیں: [۵۰]

درِ دولت پہ ان کے حاضری دی
یہ ہے لاریب میری خوش نصیبی
مقامِ عزت و تکریم ہے یہ
نہایت واجب التعظیم ہے یہ
یہ ہے سرکار کی جائے ولادت
تجلی گاہِ خورشیدِ رسالت
مناسب احترام اس کا نہیں ہے
محبانِ نبی کا دل حزیں
خدا کے گھر میں کچھ بندے خدا کے
ادب نا آشنا ہیں مصطفیٰ کے
پسند ان کو نہیں توقیرِ احمد
مگر پھر بھی ہیں مومن اور موحد
عزازیلی ہے یہ وحدت مآبی
خرابی ہی خرابی ہی خرابی
کرم اے افتخارِ نوح و آدم
''ترحم یا نبی کل ترحم''
۱۴۱۹ھ

(۲)

ضیائے مولدِ سرکار کی مرہونِ منت ہیں
جہاں میں آج ہیں جس نوع کی جتنی بھی تنویریں
نہیں اس کا تحمل حکمرانوں کو پسندیدہ
اِس ارضِ پاک پر ہرسُو ہیں جن کی خوب جاگیریں
حبیبِ حق کا گھر بے زیب انہوں نے چھوڑ رکھا ہے
حسیں سے ہیں حسیں تر جن کی ہربستی میں تصویریں
کمر بستہ ہو استخفافِ شانِ مصطفائی پر
''خدرائے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں''
(بانگِ درا،خضرِ راہ۔اقبالؔ)

کوئی بھی ہو ساعت یہاں دلسوز سماں ہے
یہ مولدِ محبوبِ خدائے دو جہاں ہے
بام و در و دیوار سے حال اس کا عیاں ہے
تنویر پہ سلطانی تاریک دلاں ہے
اے مالکِ کُل! روزِ مکافات کہاں ہے؟

طارقؔ سلطانپوری کی شاعری ایک اہم خصوصیت ان کی تاریخ گوئی بھی ہے۔ یہ فن اب شعراء کرام سے اٹھتا جارہا ہے۔ دورِ آخر میں امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کو دیگر علوم فنون کی طرح تاریخ گوئی میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ شاید، جہاں تک راقم کے علم میں ہے، عصرِ جدید میں برصغیر کے شعراء کی صف میں طارقؔ کے علاوہ کسی اور کی اس فن میں دسترس کی نظیر دکھائی نہیں دیتی۔ اگر کسی صاحب کے علم میں کوئی ایسی شخصیت ہو تو ضرور آگاہ فرمائیں۔

فنِ تاریخ گوئی کے متعلق ہندوستان، کے معروف محقق ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کا ایک مضمون دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، ملاحظہ ہو:

''تاریخ گوئی ایک بہت ہی مشکل فن ہے۔ اس فن کا ریاضی سے بڑا گہرا ربط ہے۔ شعراء وادباء کے یہاں یہ فن خصوصی اہتمام کیسا تھ پایا جاتا ہے۔ اس فن کا تعلق صرف کسی ایک زبان سے نہیں بلکہ اردو، فارسی، عربی، ہندی، اور سنسکرت سے بھی ہے۔ انگریزی ادب میں بھی تاریخ گوئی کا ثبوت ملتا ہے۔ انگریزی میں اسے Chronogram کہتے ہیں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد نے فرہنگ ادبی اصطلاحات میں اس کی بابت لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''کتبے میں بعض حروف نمایاں ہوتے ہیں جو رومن اعداد بھی ہوتے ہیں اوران حروف کے اعداد مل کر تاریخ بناتے ہیں۔''

[فرہنگ ادبی اصطلاحات (Dictionary of Literary terms English-Urdu ص۔۴۰]

جن لوگوں کو فن تاریخ گوئی میں درک حاصل تھا ان کے بارے میں کتب تواریخ کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اسی فن کے آدمی تھے۔ شبانہ روز اپنی صلاحیتیں صرف اسی فن میں صرف کرتے تھے جس کے سبب انہیں اس فن کا سرخیل تسلیم کیا گیا۔ فن تاریخ گوئی میں کمال حاصل کرنے والوں میں صاحب میزان التاریخ مرزا اوج لکھنوی، صاحب افادہ تاریخ جلال لکھنوی، منشی انوار حسین اور غرائب الجمل کے مصنف عزیز جنگ ولا کے اسماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آئینہ بلاغت (ص۴۰۳) میں مرزا محمد عسکری نے ''اقسام ومتعلقات نظم ونثر'' کے تحت تاریخ گوئی کی تعریف بیان کی ہے اور اس کے سات اقسام کا ذکر کیا ہے اور مومنؔ و ناسخؔ کے اردو اور فارسی شعروں اور مصرعوں کی مثالیں بھی دی ہیں۔

درس بلاغت (ص۱۵۴،۱۵۳) میں شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی تاریخ کی تعریف اور قاعدۂ ابجد (قاعدۂ جمل) اور زبر و بینہ کے قاعدہ کا ذکر کیا ہے۔

فن تاریخ گوئی سے اردو شعراء کو بھی دلچسپی رہی ہے۔ ناسخؔ،

مومنؔ، انشاءؔ اور ذوقؔ وغیرہ اس فن میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ناسخ کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت اسی فن میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے۔

صاحب سبحۃ المرجان نے اس فن کی تعریف اس طرح کی ہے:

''تاریخ ایسے فن کا نام ہے جس سے متکلم سال ہجری کسی حادثہ کے وقوع کا فن جمل کے قاعدے سے بیان کرے۔ یہ فن ادیبوں کی نظر میں ایک دستاویز اور ظریفوں کی نگاہ میں ایک بازیچہ ہے۔ عرب مؤلفین کے یہاں اس فن کی طرف سے بے اعتنائی پائی جاتی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ اس کا شمار فن بدیع میں نہیں ہوا اور فن بدیع کے ماہرین میں کسی نے اس فن کو ہاتھ نہیں لگایا حالانکہ یہ صنعت ذکر کرنے کے قابل تھی۔ اس کے برخلاف فارس کے ادیبوں نے اس فن کی طرف بھرپور توجہ کی ہے اور اس کا مکمل حق ادا کر دکھایا ہے۔''

[سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، از: میر غلام علی آزاد، ص ۲۱۱]

امام احمد رضا خاں صرف شاعر یا تاریخ گو ہی نہیں تھے بلکہ ان کی عظیم شخصیت فضائل و کمالات کا مخزن تھی۔ وہ بیک وقت علوم نقلی و عقلی کے ایک عظیم ماہر اور ایک متجر عالم تھے اور اس نادر فن میں بھی وہ اپنی مثال آپ نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا خاں صاحب نے کئی کئی صنعتوں میں تاریخیں نکالی ہیں۔ موقع و محل کی مناسبت بغیر کاغذ و قلم کا سہارا لئے برجستہ تاریخی مادے نکال دیتے ہیں۔ ان کے اکثر کتب و رسائل کے نام تاریخی ہیں۔ ان کی کتابوں کے تاریخی نام میں یہ بھی خوبی ہے کہ کتاب کی تصنیف کا مقصد بھی سامنے آجاتا ہے اور تاریخ تصنیف بھی نکل آتی ہے۔

کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ انہوں نے ایک ہی موقع سے دو چار نہیں بلکہ دس دس تاریخی مادے نکالے ہیں۔ کئی شعرا کے دواوین کی تاریخیں انہوں نے نکالی ہیں۔ لوگ نو مولود بچوں کے تاریخی نام نکالنے کی ان سے اکثر فرمائش کیا کرتے تھے۔

۱- ڈاکٹر مختار الدین آرزو سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی ولادت پر ان کے والد ماجد مولانا ظفر الدین صاحب (مرید و خلیفہ امام احمد رضا خاں صاحب) نے بذریعہ خط امام احمد رضا خاں صاحب سے ان کا تاریخی نام رکھوایا۔ مولانا بریلوی نے فی البدیہہ مختار الدین (۱۳۳۶ھ) نام رکھ دیا۔

[حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۱۴۲]

مولانا ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے کہ چودہ سال کی عمر سے امام احمد رضا نے اس فن کا کمال دکھانا شروع کر دیا تھا۔

[حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۱۴۱]

لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خاں نے بارہ سال کی عمر سے ہی اس فن کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ اپنے والد گرامی مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی کتاب ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' کا قطعہ تاریخی انہوں نے بارہ سال کی عمر میں لکھا۔ [۵۱]

امام احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

میرے والد نے جب کیا تصنیف
یہ رسالہ بوصف شاہ ہدیٰ
جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس
ہر ورق سدرہ و طوبیٰ
گیسوئے حور ہے سواد حروف
مردم چشم حور ہر نقطہ
یا قلم اس کا ابر نیساں ہے
ہر ورق اس کا علم کا دریا
ہر سطر رشک موج صافی ہے
دائروں کو صدف لکھوں تو بجا
نقطے جن کے ہیں گوہر شہوار
قیمت ان کی جنت الماویٰ

سال تالیف میں رضا نے کہا
وصف خلق رسول امی کیا

۱۲۸۴ھ

[حدائق بخشش حصہ سوم، از: امام احمد رضا خاں مرتبہ مولوی محبوب علی خاں ص ۹۵]

تاریخ گوئی اور تاریخی مادوں کے استخراج کے سلسلے میں دبستانِ نعت کے شعراء میں طارق منفرد مقام رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا امام احمد رضا اس فن کے بھی امام تھے۔ شاید طارق سلطانپوری کی دبستانِ رضا سے بے لوث وابستگی، کلامِ امام سے بطورِ طالبعلم شغف اور اعلیٰ حضرت کی ذات اور علم و فن سے ان کی والہانہ وابستگی اس علم میں ان کی فتوحات کا سبب بنی ہے۔ طارق کو زیرِ نظر فن میں جو حیرت انگیز اور روز افزوں استعداد حاصل ہے، وہ یقیناً ان پر امام احمد رضا کے روحانی فیض کے غماز ہیں۔ پروفیسر ارشد ''تجلیاتِ حرمین'' کے مقدمہ میں طارق کی اس صلاحیت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''تاریخی مادے نکالنے میں طارق کو حیرت انگیز ملکہ حاصل ہے اور مہارت حدِ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس خصوصیت کا اظہار تجلیاتِ حرمین میں بھی جا بجا ہوا ہے۔ آیاتِ ربانی سے نکالی گئی تاریخوں کے استثناء کے ساتھ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ تاریخی مادے طارق کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ نمونے کے طور پر تجلیاتِ حرمین سے چند خوبصورت تاریخوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ مسجد قبلتین کی حاضری کی تاریخ کہی ہے۔

از سر و قلب ''لطف'' ہے تاریخ

۳۹

''خواہشِ مصطفیٰ ہوئی پوری''

۳۹ + ۱۳۸۰ = ۱۴۱۹ھ

نئے غلافِ کعبہ کی تاریخ۔

میرے دلبر ہو تیرے حسن کی خیر
میرے جانی ''مبارک خلعتِ نو''

۱۴۱۹ھ

سحابِ کعبہ کی بوندوں سے لطف اندوز ہونے کی تاریخ ع

لطفِ ہاتف سے اس کی ہے تاریخ
''ہو گیا آج خاص لطفِ خدا''

۱۴۱۹ھ

غارِ حرا کی زیارت کی تاریخ ع

حاضری کی کہے ہے یوں تاریخ
''قلزمِ آب و تابِ غارِ حرا'' (۵۲)

۱۹۹۹ء

تجلیاتِ حرمین میں کئی جگہ قرآنِ پاک اور حدیثِ نبوی ﷺ سے بڑی خوبصورتی سے اقتباس کیا گیا ہے، دو مثالیں نقل کرتا ہوں:

قد نری سے قول وجہک سے
آشکارا ہے شانِ مصطفوی

اور

حضور میری خطائیں ہیں حد و عد سے سوا
شفاعتی لکبائر سے حوصلہ ہے بڑا

اسی طرح بعض معروف نعت نگاروں کے مصرعے بھی بڑی خوبصورتی سے استعمال کئے ہیں مثلاً:

نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید ایں جا
ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

(عزتؔ بخاری)

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی

(حفیظؔ جالندھری)

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے

(امام احمد رضا بریلوی)

امیر مینائی کی ایک غزل کا مصرع بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔

آج کعبہ ہے مرے پیشِ نظر
''دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے'' [۵۳]

طارق نے مادہ ہائے تاریخ کے استخراج کے ساتھ ساتھ امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شان میں منظوم خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے اور وہ اس موضوع پر گذشتہ ۲۵ سال سے لکھ رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے علاوہ بھی دیگر علماء و مشائخ اور اہلِ علم شخصیات پر بھی لکھا ہے۔ ۲۰۰۸ء کی امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر ''زیبا باغِ معرفتِ حق'' (۱۹۲۱ء) کے عنوان سے چھوٹی بحر میں ایک خوبصورت منقبت کہی تھی جس میں اعلیٰ حضرت کی ذات میں علم و عشق کے حسین امتزاج کی اعلیٰ شان کو نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ منقبت سالنامہ معارفِ رضا ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی، راقم ان کی تاریخ گوئی اور منقبت گوئی کے ایک نمونے کے طور پر اہلِ علم کی تفننِ طبع اور دعوتِ فکر کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

زیبا باغِ معرفتِ حق

۱۹۲۱ء

(سالِ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

اجملِ ہر جہاں کا دِلدادہ
والۂ ماہِ انورِ طیبہ

مصطفیٰ کا غلام شاہ حشم
عبد ذی شانِ سرورِ طیبہ

وہ ثنا خوانِ مصطفیٰ بے مثل
بے بدل وہ ثناگرِ طیبہ

اس کا ممدوح اک ملیح عرب
اس کا موصوف دلبرِ طیبہ

اس کے اشعارِ نعت کا ہر شعر
عکسِ زیبائے منظرِ طیبہ

اس کی تحریر و گفتگو کا خصوص
ذکر ایمان پرورِ طیبہ

جان و دل سے عزیز تر اس کو
ہر وہ شے جو ہے مظہرِ طیبہ

فاتحِ مکہ کا مدیح نگار
نعت گوئے مُظفّرِ طیبہ

قائدِ کاروانِ عشقِ حبیب
ترجمانِ قد آورِ طیبہ

عاشق و واصفِ محمد (ﷺ) تھا
مثلِ حسّان منبرِ طیبہ

اس کا سالِ وصال ہے طارق
جلوہ ہائے پیغمبرِ طیبہ

۱۳۴۰ھ

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تحریر کیا گیا کہ طارق سلطانپوری کا شمار عصرِ جدید کے ان نعت گو شعرائے کرام میں ہوتا ہے جنہوں نے روایاتی نعتیہ شاعری کی اہم خوبیوں کو برقرار رکھتے ہوئے افکار و خیالات کو جدید اسلوب پر وسعت بخشنے کی کوشش کی ہے۔ گفتگو کے نئے ڈھنگ اور نئے سلیقوں کو متعارف کرایا ہے۔ اسی درج بالا منقبت کو دیکھ لیں: فاتحِ مکہ کا مدیح نگار، نعت گوئے مظفرِ طیبہ، قائدِ کاروانِ عشقِ حبیب، ترجمانِ قد آورِ طیبہ کیسی اچھوتی اور زوردار ترکیب ہیں۔ سید عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے نئے زاویئے پیش کیے ہیں۔ عشق و سرمستی کا جذبہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نعت گوئی

کے حدود و قیود اور ادب و آداب کو ملحوظ رکھنے کی راہ دکھائی ہے اور پیغامِ مصطفیٰ ﷺ عام کرنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔ نعتیہ ادب میں فکر کی بلندی کے ساتھ الفاظ کے ذخیروں کو بڑھایا اور موجودہ ذخائر کے معانی کو وسعت دینے کی کوشش کی گئی جس سے اردو ادب کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوا ہے۔ مثال کے طور پر طارق کے کلام سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ نظم کا عنوان ہے "منیٰ"۔ یہ دورانِ حج مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد منیٰ میں قیام کی بظاہر ایک منظر کشی ہے لیکن طارق نے منظر کشی کے ساتھ امتِ مسلمہ کو جگہ جگہ رُک کر جو پیغامات دیئے ہیں، اس نے نعت کی افادیت، اور مقصدیت میں اضافہ کر دیا ہے۔[۵۴]

ہے سر کوبی شیاطیں کی ضروری
شیاطیں بانیانِ فتنہ و شر
منیٰ کے تین شیطانوں کی خاطر
چنے مین نے بھی مزدلفہ سے کنکر
ہجومِ خلق بے اندازہ و حصر
اِک انسانوں کا متلاطم سمندر
تمازت کی نہ کوئی حبس کی حد
نہ گھبرایا غلامِ شاہِ کوثر
رسائی تھی ہدف تک گو نہ آساں
چلا لیکن خدا کے آسرے پر
عنایت سے خدا و مصطفیٰ کی
سہولت ہی سہولت تھی میسر
مسلسل تین دن باعزمِ راسخ
لگائی ضرب شیطانوں کے سر پر
انہیں دھتکارا ابراہیم (علیہ السلام) نے جب
نظر کے سامنے آیا وہ منظر
حریصِ مرضی و خوشنودیٔ رب
خدا کا عبدِ خاص، اللہ اکبر
ہوا بیٹے کی قربانی پہ تیار
رضا جوئے خدائے پاک و برتر
ارادہ پختہ تھا نیت تھی صادق
ملی اس کو رضائے ربِّ اکبر
ہوا پیدا اُسی کے خانداں میں
خدا کا آخری پیارا پیمبر
ادا کی اُس نے بھی سنت خلیلی
وہ جو ہے بدر کا سالارِ لشکر
یقیں افروز ہے تاریخ اس کی
منیٰ کی داستاں ایمان پرور
یہ سنت سیکڑوں سالوں سے اب تک
ادا کی جارہی ہے باتواتر
رمی کی اور قربانی کی حکمت
ہے واضح خوب اربابِ نظر پر
(تعالی اللہ حزب اللہ کی شوکت)
شکوہِ اہلِ حق، اللہ اکبر
ہوئی تاریخ اس منظر کی موزوں
تعالیٰ شانہ، "یہ پیارا منظر"
۱۴۱۹ھ

پہلا شعر کس قدر ایمان پرور اور فکر انگیز ہے۔ منیٰ کے میدان سے امت مسلمہ کے لیے اس سے بڑا پیغام نشر نہیں ہوسکتا۔ یہ طارق سلطانپوری کی عشقِ رسول ﷺ کی روشنی سے مجلّہ فکر، اقبال کے الفاظ میں "دانشِ نورانی" کا کمال ہے۔ آج اسلامی ممالک میں فتنہ و شر کی بھرمار ہے۔ ہمیں اپنے اندر کے شیاطین کی بھی سرکوبی کرنی ہوگی۔

ساتھ ساتھ شاعر حج کے مقصد کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اراکینِ حج کی ادائیگی محض ایک رسم نہیں ہیں بلکہ ان سے صفائی قلب، بالیدگی روح مقصود ہے، اگر یہ نہیں تو حج ایک سعی لا حاصل ہے اور وقت، مال اور وسائل کی بربادی۔ پھر منظرکشی کا کمال ایک ایک مصرعہ سے ظاہر ہوتا ہے، ملاحظہ ہو۔

انہیں دھتکارا ابراہیم نے جب (علیہ الصلوٰۃ والسلام)
نظر کے سامنے آیا وہ منظر

شاعر، قاری کو ''دورِ براہیم'' کی سیر کرا دیتا ہے جس کے لیے اقبال نے کہا ہے: ''یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔'' اور لفظ ''دھتکارا'' شیطان کے مقابل کس قدر زور آور اور نفرت آگیں استعارہ ہے۔ اسی طرح اس سے قبل والا شعر ملاحظہ کریں، ''باعزم راسخ شیاطیں کے سروں پر ضرب کاری'' نفسِ امارہ کو کچلنے کی کیسی اچھی ترغیب و تشویق ہے۔ پھر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ''حریص مرضی و خوشنودیٔ رب'' کس قدر پیاری ترکیب و کنایہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بیٹے کی قربانی کے صلے میں جو نعمت کبریٰ عطا فرمائی، اسے رب کی ''رضائے اکبر'' کہہ کر نسلِ ابراہیمی میں سید عالم ﷺ کی بعثت کی طرف کیا خوبصورت کنایہ ہے۔ پختہ ارادہ اور نیت صادق کی برکات کا ثمرہ ''رضائے اکبر'' کا حصول قرار دے کر اخلاصِ نیت اور عزم مصمم کی اہمیت کو کس خوبصورتی سے اجاگر کیا جا رہا ہے۔ دوسری جگہ رمی اور قربانی کی حکمت و فلسفہ کی طرف اشارہ کر کے ''اربابِ نظر'' کو غفلت سے ہوشیار کیا جا رہا ہے۔ غرض کہ اول شعر سے آخر شعر تک یہ نعت مقصدیت سے پُر ہے اور پھر منیٰ کے ماحول کی منظر نگاری اس پر مستزاد۔ زیر نظر نعت طارق کی اعلیٰ شعری صلاحیتوں کا اچھا نمونہ، خوبصورت اور بامقصد شاعری کی عمدہ مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ طارق کے کلام پر لب کشائی کرنا کسی ماہر فن کا ہی کام ہے۔ راقم کو اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے لہٰذا اس مضمون میں الفاظ و بیان اور تشریح و تعبیر کی کوئی غلطی نظر آئے تو تعجب نہیں۔ راقم مفید مشوروں اور اصلاح کا کھلے دل سے خیر مقدم کرے گا۔

بلاشبہ طارق کا کلام ایسا ہے کہ عصرِ حاضر کے ممتاز نعت گو شعراء کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ طارق طبیعتاً نہایت خلیق، منکسر المزاج، درویش صفت انسان ہیں۔ ذکر و فکرِ مصطفیٰ کریم ﷺ میں ہمہ وقت مستغرق رہنا ان کی زندگی کا شعار ہے۔ مزاجاً شہرت گریز ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہی نہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ طارق سلطانپوری جیسے عظیم وصّافِ نبی الکریم ﷺ کی نعتیہ شاعری کی طرف اہلِ علم، ادباء، شعراء اور ناقدینِ فن کی توجہ مبذول کرائیں۔ علمی و ادبی نشستوں کا انعقاد کر کے ان کی نعت گوئی پر تحقیقی مقالے لکھوائے جائیں۔ برصغیر کے مستند شعراء اور ناقدینِ فن سے ان کے مجموعہ کلام پر نقد و نظر اور تبصرے لکھوائے جائیں۔ میٹرک کی سطح سے لے کر جامعات اور کالجز کی سطح تک نصاب میں طارق سلطانپوری کے کلام کو منظور کرایا جائے۔ جامعات میں ان کے مجموعہ کلام پر ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے لکھوائے جائیں۔ جامعات اور تحقیقی اداروں کی جانب سے نعتیہ ادب کے فروغ کے سلسلہ میں طارق کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں اسناد اور تمغے دیئے جائیں۔ ان جیسی شخصیات ملت کا بہت بڑا اثاثہ ہیں۔ ہمیں چاہئیں کہ ہم ان کی قدر کریں۔

بنام آں کہ جاں را فکرت آموخت
چراغِ دل بہ نورِ جاں برافروخت

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد وعلی آلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وذریاتہٖ والیاء ملتہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

............xxx............

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الاحزاب: ۵۶/۳۳

۲۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ص: ۷۹ تا ۸۷، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

۳۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''اردو کی نشوونما میں صوفیاء کرام کا حصہ'' مصنفہ: مولوی عبدالحق اور ''دکن میں اردو'' مصنفہ: نصیر الدین ہاشمی (وجاہت)

۴۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، ''اردو میں نعت گوئی''، ص: ۲۸۱ تا ۳۰۱، ناشر: اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان

۵۔ ایضاً، ص: ۳۰۱

۶۔ ملفوظات، مرتبہ: مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ص: ۱۶۱ تا ۱۶۳، حصہ دوم، ناشر: فرید بک ڈپو، لاہور

۷۔ احمد رضا خاں۔ حدائقِ بخشش، حصہ سوم، مطبوعہ بدایوں، ص: ۹۳، ۹۴

۸۔ محامدِ خاتم النبیین (امیر مینائی)، ص: ۱۱۱۔۱۱۳

۹۔ ایضاً، ص: ۲۸، ۲۹ ۱۰۔ ایضاً، ص: ۶۹

۱۱۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

الف۔ شعر الہند، مصنفہ: عبدالسلام ندوی، حصہ دوم، ص: ۲۱۱، ۲۱۲

ب۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، مصنفہ: ابواللیث صدیقی، ص: ۵۴۵ تا ۵۴۸

ج۔ اردو میں نعتیہ شاعری، مصنفہ: ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ص: ۳۲۰، ۳۲۱

۱۲۔ کلیاتِ محسن

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ ہوں:

الف۔ اردو کی نعتیہ شاعری، مصنف: ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ب۔ کلیاتِ نعت، مصنف: مولوی محمد حسین

ج۔ کلیاتِ محسن میں اسی قصیدہ کی تشبیب میں ''مناسباتِ کفر'' کے استعمال کے جواز میں کہے گئے اشعار جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا
مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل
ہوا مبعوث فقط اس کو مٹانے کے لیے
سیفِ مسلولِ خدا نورِ نبی مرسل (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

د۔ ستارہ یا بادبان، مصنفہ: محمد حسن عسکری

۱۶۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص: ۳۹۸، ناشر: اقبال اکیڈمی، لاہور

۱۷۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ص: ۱۳۲، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)

۱۸۔ جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر، حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص: ۶، ۷، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)

۱۹۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص: ۴۰۸، ۴۰۹، ناشر: اقبال اکیڈمی، لاہور (۱۹۹۰ء)

۲۰۔ ایضاً، ص: ۴۲۰

۲۱۔ جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر، حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص: ۱۰، ۱۱، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)

۲۲۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ص:

۲۲۳، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)

۲۳۔ جوہر شفیع آبادی، ڈاکٹر، حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعرِ نعت، ص: ۷ تا ۱۰، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۶ء)

۲۴۔ عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی، ص: ۶۶۲، ۶۶۳، ناشر: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲۰۰۸ء)

۲۵۔ حافظ مظہر الدین کی نعت گوئی کی خوبیاں جاننے کے لیے ان کے مجموعۂ کلام تجلیات، جلوہ گاہ اور بابِ جبریل ملاحظہ فرمائیں۔ (وجاہت)

۲۶۔ ذوقِ نعت

۲۷۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص: ۵۰۸، ناشر: اقبال اکیڈمی (طبعِ اول ۱۹۹۰ء)

۲۸۔ حدائقِ بخشش، حصہ دوم

۲۹۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ حرمین موسوم بہ ''رابطۂ بخشش''، ص: ۱۶۳، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، U-128، بازار تلواڑاں، راولپنڈی

۳۰۔ ایضاً ص: ۱۹۸ تا ۲۰۰

۳۱۔ ایضاً ص: ۱۴ تا ۱۶

۳۲۔ حدائقِ بخشش، حصہ دوم

۳۳۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ رضا، ص: ۵۸، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، راولپنڈی

۳۴۔ ایضاً ص: ۹۳

۳۵۔ ایضاً ص: ۱۳۶

۳۶۔ ایضاً ص: ۱۳۷

۳۷۔ ایضاً ص: ۱۴

۳۸۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص: ۴۱۳، ناشر: اقبال اکیڈمی، لاہور

۳۹۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ حرمین موسوم بہ ''رابطۂ بخشش''، ص: ۹۰، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، راولپنڈی

۴۰۔ ایضاً ص: ۹۵

۴۱۔ ایضاً ص: ۱۰۳

۴۲۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، ص: ۴۹۰، ۴۹۱، ناشر: اقبال اکیڈمی، لاہور

۴۳۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: اقبال سہیل، ارمغانِ حرام، ص: ۴۸، ۴۹ (مقدمہ: افتخار اعظمی)

۴۴۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ حرمین موسوم بہ ''رابطۂ بخشش''، ص: ۹۱، ۹۴، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، راولپنڈی

۴۵۔ حسن رضا بریلوی، ذوقِ نعت

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ حرمین موسوم بہ ''رابطۂ بخشش''، ص: ۱۰۲، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، راولپنڈی

۴۸۔ ایضاً ص: ۱۵۶، ۱۵۷

۴۹۔ ایضاً ص: ۶۸ تا ۷۰

۵۰۔ ایضاً ص: ۱۱۴ تا ۱۱۷

۵۱۔ عبد النعیم عزیزی، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص: ۲۲۵ تا ۲۵۷

۵۲۔ طارق سلطانپوری، تجلیاتِ حرمین موسوم بہ ''رابطۂ بخشش''، ص: ۵۲، ۵۳، ناشر: مکتبہ ضیائیہ، ضیاء العلوم، راولپنڈی

۵۳۔ ایضاً۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ص: ۱۴۲، ۹۰، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۰۴، ۱۴۴، ۱۰۳

۵۴۔ ایضاً ص: ۱۷۷

تذکرۂ حضرت رفاعی۔۔ایک مطالعہ

پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ ☆

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز برفلک و حکم بر ستارہ کنم

شہرۂ آفاق نعت گو شاعر عاشق رسول مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ قدس سرہ نے حضرت مولانا جلال الدین رومیؔ کی مثنوی شریف سے متعلق اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

مثنوی معنوی مولوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

دنیائے فقر و جہانِ طریقت میں مولانا رومی کا مقام و مرتبہ اظہر من الشمس ہے۔ وہ اپنی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

اولیاء را ہست قدرت از الہ
تیر جستہ باز گردانند ز راہ
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اور کیوں نہ ہو جبکہ بقول مولانا۔

کرد ہر کہ ذات مرشد را قبول
ہم خدا آید بذاتش ہم رسول

شریعت و طریقت کے خوبصورت انضمام کی طرف ان کا یہ شعر واضح اشارہ ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینۃ العلم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر دین کی تکمیل کے ساتھ اپنی نعمتیں تمام کردیں، ان کی امت میں دو جماعتیں نمایاں ہیں، ایک علمائے ربانیین کی دوسری اولیاء اللہ کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے کرام سے متعلق فرمایا - علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور العلماء ورثۃ الانبیاء، اللہ جل شانہ نے اپنے اولیاء کے لئے سورۂ یونس میں فرمایا - اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔شریعت و طریقت دراصل ایک دوسرے سے الگ نہیں گویا یہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

بہرحال چار پیر، چودہ خانوادوں سے جو سلاسلِ طریقت ساری دنیا میں جاری و ساری ہیں ان میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے برگزیدہ و محبوب بندوں (اولیا) کا شمار ممکن نہیں۔ پیران پیر غوث الاعظم دستگیر سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ قادریہ ہندوستان میں خوب پھیلا اور پروان چڑھا۔ اس کے علاوہ دیگر سلاسل چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ، نقشبندیہ، شطاریہ، ابوالعلائیہ وغیرہ کا کیا کہنا!

ہندوستان سے باہر بھی کچھ اہم سلسلوں نے بڑا فروغ پایا جو یہاں نسبتاً بہت کم ہیں۔ مثلاً سلسلۂ مولویہ ترکی، دمشق اور شام میں، سلسلۂ نعمت اللہیہ ایران میں، سلسلہ شاذلیہ افریقہ اور رومانیہ میں، سلسلہ رفاعیہ حجاز و شام میں۔

سلسلہ عالیہ رفاعیہ کے مؤسس سرخیل صوفیا و افتخار اولیا حضرت سید ابوالعباس شیخ احمد کبیر رفاعی ابن عارف باللہ سید سلطان علی ابن سید یحیٰ نقیب ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵ ر جب المرجب ۵۱۲ ہجری کو ام عبیدہ کے قصبہ حسن میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت ''بشریٰ'' (۵۱۲) ہے۔ مقام ام عبیدہ علاقہ بطائح درمیان واسط و بصرہ ہے۔

☆ شاہ ٹولی، داناپور کینٹ، پٹنہ ۸۰۱۵۰۳، بھارت۔

حضرت رفاعی اپنے وقت کے مشہور شیخ ابوالفضل بن کامخ کے مرید و مجاز تھے۔آپ کے ماموں باز اشہب شیخ منصور بطائحی رحمت اللہ علیہ مرید و شد شیخ علی قاری واسطی رحمت اللہ علیہ نے اپنے بھانجے (حضرت رفاعی) کو محض ۲۸ سال کی عمر میں ہی اپنا نائب وخلیفہ بنا کر اپنی خانقاہ ام عبیدہ میں سجادہ نشیں کر دیا تھا۔حضرت رفاعی شیخ علی قاری کے خلیفہ اکبر تھے۔

واضح رہے کہ حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی قدس سرہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے ہمعصر وہمنشیں اور ایک دوسرے کے مقامات ومدارج سے آشنا وآگاہ تھے۔

حضرت شیخ رفاعی نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے ابو الفرج شیخ عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ اے عزیز! شیخ عبدالقادر کی قوت کو کون سہار سکتا ہے اور ان کے مقام ومرتبہ تک کون پہنچ سکتا ہے۔ایک مجلس میں فرمایا کہ بلاشبہ عبدالقادر کے دائیں شریعت کا سمندر ہے اور بائیں حقیقت ومعرفت کا سمندر ہے، جس سے چاہتے ہیں دامن بھرتے ہیں۔

(ارشاداتِ رفاعی صفحہ خ)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی مجلسوں میں آپ (حضرت رفاعی) کا تذکرہ اچھے الفاظ میں فرماتے رہتے تھے۔ایک مجلس میں آپ (حضرت رفاعی) کی شان میں ارشاد فرمایا:

''خدائے تعالیٰ کا ایک بندہ ہے جو مقام عبدیت پر متمکن ہے اپنے مریدوں کا نام بدبختوں کی فہرست سے مٹا کر سعادت مندوں اور نصیبہ وروں کی فہرست میں لکھ دیتا ہے۔''

(ارشاداتِ رفاعی ص د)

ایک دوسرے سے متعلق ارشاداتِ بزرگان خدارسیدہ کے اس حوالے سے ان کے مراتب کا اندازہ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ان ولیوں سے بے شمار کرامتوں اور خوارق کا اظہار ہوتا رہا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو معجزے عطا فرمائے تھے۔اکثر کا ذکر قرآنِ حکیم میں موجود ہے۔ید بیضائے موسوی، عصائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سانپ بن جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نابینا کو بصارت دینا، مبروص کو شفا بخشنا، مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دینا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا چیونٹی کی باتیں سننا، سمجھنا اور اس پر تبسم فرمانا، واقعہ موسیٰ وخضر میں بھنی مچھلی کا زندہ ہو کر دریا میں چلے جانا وغیرہ۔

جہاں تک سیدالانبیاء ختم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے تو حق یہ ہے کہ ؎

حسن یوسف دمِ عیسیٰ، ید بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جو مدینۃ العلم ہیں (وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ) فرماتے ہیں: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔علماء انبیاء کے وارث ہیں۔کس چیز کے وارث ہیں؟ سوائے رسالت ونبوت کے وہ تمام اوصاف حمیدہ، خصائلِ ستودہ واخلاق کریمانہ جس کی تبلیغ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ان ورثا کو دیکھیے تو ان میں صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، صدیقین، شہدا، صلحا، علما، فقرا اور اولیا ہی تو ہیں۔انبیا کے معجزات ان کے ورثا میں کرامات وخوارق بن گئے۔

یہ کرامت ہی تو ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی میں منبر پر خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے ہیں اور اسی درمیان نہاوند کی جنگ کا مشاہدہ فرماتے ہوئے حضرت ساریہ کو جو محاذ جنگ پر کمان کر رہے تھے، آواز دی یَاسَارِیَۃَ الْجَبَلْ یَاسَارِیَۃَ الْجَبَلْ یہ آپ کا کمانڈ ہی تو تھا۔حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کا حکم سنا، اس پر عمل کیا اور فتح یاب ہوئے۔یہ کرامت وخرق عادت اور تصرف ان ورثائے رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ کی دین ہے جن کا صدور وظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، کبھی منشائے ایزدی ورضائے حق کے تحت ضرورۃً بھی اس کا اظہار ہوا ہے۔ویسے اللہ والوں نے اس عطا

شدہ نعمت کرامت کا اظہار بہت کم ہونے دیا ہے اور اس کے اخفا و استتار کو ہی پسند فرمایا بلکہ اسے عورتوں کے کرسف سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کی پوشیدگی پرزور دیا ہے۔

اب اگر اولیاء اللہ کی ذات بابرکات سے بمشیت الٰہی کرامات کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا ذکر خیر عقیدت مندوں اور مریدوں میں کوئی تعجب یا عیب کی بات تو نہیں ہے۔ وہ بھی ایسے ثقہ ارباب علم وفضل و صاحبانِ لوح وقلم کے ذریعہ جن کے نام ہی صداقت و امانت کی ضمانت ہیں۔ مثلاً مصنف نفحات الانس، صاحب مراۃ الاسرار، مؤلف تذکرۃ الاولیاء، مرتب اخبار الاخیار، مؤلف اعجاز غوثیہ وغیرہم، ان کے عشق رسول، رجوع الی اللہ، فنائیت وبقائیت میں کلام نہیں۔

شیخ طریقت، شمع ارباب ہدایت، سلطان العارفین حضرت سید احمد کبیر ابن سید ابی الحسن رفاعی قدس سرہ اس پایہ کے بزرگ ہیں جن کا سلسلہ طریقت ارض حجاز وشام میں اسی طرح فروغ پذیر اور مقبول و مفید عام ہوا جس طرح سلسلہ عالیہ قادریہ ہندوستان میں۔ سلسلہ عالیہ رفاعیہ سرزمین ہند میں بہت دیر سے پہنچا۔ بڑودہ (گجرات) میں خانقاہِ رفاعیہ کی بنیاد پڑی جس کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ حسام الدین رفاعی مدظلہ ہیں اور اب وہاں سے اس سلسلے کی اشاعت کامیاب طور پر ہو رہی ہے۔

اس سلسلے کے لائق و فائق شخص جناب شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی ندوی صاحب ادھر بیس پچیس برسوں سے سلسلے کی ترویج و اشاعت ومعرفی میں بہت فعال اور سرگرم ہیں۔ آپ نے کئی کتابیں اور رسائل اس ضمن میں شائع کئے۔ مثلاً ارشادات رفاعی، اولیاء اللہ کا حال، تذکرۂ حضرت رفاعی وغیرہ۔ سلسلۂ رفاعیہ کے چند نامور بزرگ ومشائخ کی عربی وفارسی تصنیفات کے تراجم بھی شائع ہو رہے ہیں جو وقت کی ایک اہم ضرورت اور بڑی علمی خدمت ہے۔ مثلاً کنز العارفین سید احمد زاہد رفاعی کی عربی تصنیف ''تذکرۃ المحققین'' کا ترجمہ اردو بنام ''عظمت رفاعی''، ''الفخر المخلد فی منقبۃ مدالید'' کا ترجمہ بنام ''حضور کی دست بوسی'' الاصول الاربع فی طریق الغوث الرفاعی'' (فارسی) کا ترجمہ ''تذکار انفع'' اور ''مجالس رفاعیہ'' وغیرہ۔

فی الوقت میرے پیش نظر جناب شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی ندوی کی کتاب ''تذکرۂ حضرت رفاعی'' ہے۔ یہ کتاب عرض مؤلف، مقدمہ از شیخ سید ابوالحسن علی ندوی، پیش لفظ از شیخ سید عبدالرب اناوی اور مکتوب از شیخ الحدیث شیخ محمد زکریا کاندھلوی کے ساتھ ۱۳۳ صفحات پر مشتمل ہے جو اپریل ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ تذکرہ درج ذیل ابواب پر محتوی ہے۔

۱. بحیثیت معلم ومدرس ۲. بحیثیت واعظ وخطیب
۳. بحیثیت ذاکر وعابد ۴. بحیثیت شاعر وسخن ساز
۵. بحیثیت مرد مومن ۶. بحیثیت حق بین وحق گو
۷. بحیثیت مکرم ومحمود ۸. بحیثیت انسانِ کامل
۹. بحیثیت منصور من اللہ۔

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی قدس سرہ کے حالات میں متواتر جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ:

''ایک دن آپ اولیاء اللہ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ آپ شاداں وفرحاں پکار اٹھے کہ اللہ عزوجل نے مجھے الہام فرمایا ہے کہ اے احمد! اپنے نانا مصطفیٰ کی زیارت کرو، وہاں ایک امانت ہے جو تمہیں عنایت کی جائے گی۔

آپ در اقدس سے حجاز مقدس کے لیے تیار ہو گئے...... (لوگ) اطراف واکناف سے اکٹھا ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں اپنے وقت کے جلیل القدر مشائخ عظام موجود تھے۔ ان بزرگ ہستیوں میں شیخ جلی احمد زعفران، شیخ معظم حیوۃ ابن قیس الحران، شیخ اکمل زاہد ابن شیخ منصور بطائحی ربانی، شیخ مکرم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیخ ابوالبرکات النحی اور ان حضرات کے علاوہ

دوسرے مشائخ عظام بھی موجود تھے۔

...... جب گنبد خضریٰ پر نظر پڑی سواری سے اتر کر برہنہ پا چلنے لگے...... چہرۂ اقدس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس چوکھٹ پر رکھا اور کھڑے ہوکر...... قبرانور کی جانب متوجہ ہوکر عرض کیا ''السلام علیک یا جدی'' روضہ انور سے آواز آئی ''وعلیکم السلام یا ولدی'' ...... جب سنا تو مارے خوشی کے آپ کی آواز بندھ گئی اور دوزانو بیٹھ گئے...... درودوسلام کے بعد دو شعر پڑھے (عربی)

ترجمہ: یارسول اللہ میں دور دراز مقام سے اپنی روح کو اپنا نائب بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجتا تھا جو آپ کے در اقدس کو بوسہ دیتی تھی، اب میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، آپ اپنے دست مبارک کو باہر کیجیے تاکہ میں اپنے لبوں سے بوسہ دوں۔

جب آپ نے شعر مکمل کر لیے تو قبرانور سے چادر مبارک ہٹ گئی، آنکھیں چندھیا گئیں، دل مدہوش ہو گئے، غیب کے دروازے کھل گئے، نور و نکہت کی بارش ہونے لگی، قبرانور شق ہوگئی، غوث اعظم سیداحمد کبیر رفاعی رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے ...... اپنے دست اقدس کو باہر نکالا ...... جس کی روشنی پورے حرم میں پھیل گئی۔ سیداحمد کبیر رفاعی نے بصد خلوص دست اقدس کو بوسہ دیا، تمام لوگ مشاہدہ فرمارہے تھے۔''

(حضور کی دست بوسی صفحہ ۳۳-۳۴)

اس عظیم البرکت شخصیت سے منسوب ایسی بیشتر کرامتیں، جو ظاہر ہے، محیر العقول ہوتی ہی ہیں، کثرت سے بیان کی گئی ہیں۔ مولف تذکرہ سید مصطفیٰ رفاعی نے صفحہ ۱۲۲ پر ''کرامات کی حقیقت'' کے عنوان سے اپنے استاد مولوی ابوالحسن علی ندوی صاحب کا ایک قول نقل کیا ہے:

''کشف و کرامت نہ ولایت و قبولیت کا جز ہیں نہ ان کی دلیل، محققین نے وضاحت کی ہے کہ دین متین پر استقامت کا مرتبہ کرامت سے بہت بلند ہے۔ اس کے باوجود اللہ پاک اپنے مخلص بندوں کے ہاتھوں خرقِ عادت چیزوں کو صادر فرماتے ہیں ...... اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔ کتاب و سنت اس کی تائید کرتی ہیں۔'' (صفحہ ۱۲۲)

اور مرتب تذکرہ اس اقتباس کے بعد ''حضرت رفاعی کی بڑی کرامت'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''حضرت رفاعی کی سب سے بڑی کرامت دین و شریعت پر استقامت ہی ہے۔ اور شریعت و طریقت کو توازن سے نصف صدی تک نبھانا ہے جو ہر کسی کے بس کا نہیں۔

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے ندا ند جام و سنداں باختن''

اس طرح حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ عنہ کی اکثر کرامتیں شیخ نور الدین عبد الرحمٰن جامی، شیخ طریقت محمد صادق شیبانی اور صاحبان علم و عرفاں مصنف خزینۃ الاصفیا و مراۃ الاسرار وغیرہم نے مشاہدے کی صداقت کے ساتھ نہایت ثقہ و معتبر راویوں کے حوالے سے تحریر فرمائی ہیں:

اب یہاں پر میں شاہ قادری جناب سید مصطفیٰ رفاعی ندوی کی اس کتاب ''تذکرۂ حضرت رفاعی'' کے مقدمہ سے ماخوذ یہ عبارت پیش کرتا ہوں:

''عام شہرت و قبولیت کا ایک نتیجہ تاریخ اسلام میں ان مبالغہ آمیز واقعات اور بے سروپا روایات و حکایات کی شکل میں اکثر ظاہر ہوا ہے جو غالی معتقدین نے یا غیر محتاط مصنفین نے ان بزرگوں کی طرف منسوب کردی ہیں۔

ان بزرگوں کا کوئی تذکرہ پڑھیے تو بقول ایک مورخ کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ لوازم بشریہ سے ان کو کوئی سروکار تھا۔ نہ تدریس و تصنیف کا کوئی ذوق نہ اصلاح و تبلیغ کا کوئی جذبہ، نہ خدمت خلق کا کوئی مشغلہ۔ بس ان کا محبوب ترین مشغلہ قانونِ قدرت کا توڑنا اور موالید ثلاثہ اور عناصر اربعہ پر اپنی

حکومت اور فرماں روائی قائم کرنا تھا اور گویا قضا وقدر کے فیصلوں سے ان کو کوئی ضد تھی کہ وہ ہمیشہ ان کو بدلنے اور عالمِ تکوینی میں مداخلت کرتے نظر آتے ہیں۔

اس باب میں بھی حضرت سید احمد کبیر رفاعی کی مظلومیت بڑھی ہوئی ہے۔ خال خال بزرگ ہی اس بارے میں ان سے بڑھے ہوئے نظر آئیں گے۔'' (مقدمہ تذکرۂ رفاعی، صفحہ ۱۱-۱۲)

مجھے سخت حیرت ہے اور افسوس ہے کہ سید مصطفیٰ رفاعی نے اس کتاب کا مقدمہ مولوی ابوالحسن علی ندوی سے کیسے لکھوالیا جن کے خیالات مشاہیر اولیاء اللہ سے متعلق اس طرح کے ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی صاحب نے خود سید مصطفیٰ رفاعی ندوی کی کتاب پر جو ریمارک دیا وہ دیکھیے:

''یہ کہنا تو مشکل ہے کہ پوری کتاب افراط وتفریط سے پاک ہے اور کہیں عقیدتمندی کا غلو نہیں پایا جاتا...... امید ہے کہ عمر وقلم دونوں کی پختگی کے بعد کتاب ارتقا کے منازل سے گذرے گی اور نقش ثانی نقش اول سے بہتر اور تابندہ ہوگا۔'' (صفحہ ۱۳)

مولوی ابوالحسن علی ندوی کے بھانجے مولوی محمد رابع حسنی ندوی نے ایک کتاب لکھی بعنوان ''ابوالحسن علی ندوی - عہد ساز شخصیت''۔ اس کتاب پر مولانا سید عبداللہ عباس ندوی پھلواروی کا ایک تعارفی مضمون شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (علی ندوی) کی شخصیت کی تشکیل میں جن عناصر نے کام کیا اس پر تمام سوانح نگاروں کا اتفاق ہے...... کہ والدہ کی تربیت، مولانا احمد علی لاہوری کی تعلیم، حضرت مدنی مولانا حسین احمد (ٹانڈوی) کی دعائیں، حضرت اشرفعلی تھانوی کا جوہر پاک کو پہچان لینا اور دعائیں دینا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مجدد دعوت وتبلیغ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا (کاندھلوی)، شیخ طریقت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی روحانی توجہات...... نے ایک انسانی مجسمہ کو عنایت الٰہی کا مورد وآماجگاہ بنادیا۔''

اور بہت صحیح بات تو یہ لکھ دی کہ

''مولانا نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے آپ کو حضرت سید احمد شہید کے خاندان کا ایک فرد پایا...... مولانا نے یہ صفات وراثت میں پائیں۔''

(پندرہ روزہ 'تعمیر حیات' لکھنو، ۲۵ فروری، ۲۰۰۶ء، صفحہ ۲۱)

سید احمد بریلوی اور ان کے مرید ومجاز مولوی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان نے توحید اور اسلام کے نام پر کیا کارنامے انجام دیے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ شاہ اسماعیل دہلوی مصنف ''تقویۃ الایمان'' کے چچا صاحبزادۂ شیخ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کو ''تفویت الایمان'' (ایمان کو فوت کرنے والی) کہا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ تاریخ کے اوراق روشن ہیں۔ ان دونوں پیر ومرید کو مولوی ابوالحسن علی ندوی کا خراج عقیدت ملاحظہ ہو:

''اس ملک کے لیے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے...... ان کے باکمال فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار اور مجتہدانہ فقہی وعلمی بصیرت کا حامل تھا ان کا مشن جاری رکھا پھر اسی علمی خانوادہ کے تربیت یافتہ اور خوشہ چین شاگرد رشید امام المسلمین سید احمد بن عرفان شہید (ش: ۱۳۴۶ھ) جیسے داعی ومجاہد...... دینی غیرت وحمیت میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے...... یہی حال ان کے جانشین اور قوت باز ومجاہد کبیر، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید (ش: ۱۳۴۶ھ) صاحب تقویت الایمان کا تھا، جن کی کتاب توحید خالص کے بیان اور شرک وبدعت کی تردید میں سب سے طاقتور اور موثر کتاب شمار کی جاتی ہے اور جسے پڑھ کر ایک بڑے سعودی عالم (نام ندارد) نے کہا تھا کہ یہ کتاب (تقویت الایمان) تو توحید کی منجنیق ہے۔''

(تعمیر حیات، لکھنو، ۲۵ مئی، ۲۰۰۷ صفحہ ۶ بعنوان مسلکی نزاعات سے اجتناب)

سید احمد بریلوی کے مرید، جانشین اور قوت باز وسید اسماعیل

دہلوی ''صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں:

''سید احمد بریلوی بچپن سے ہی کمالات نبوت پر فائز تھے۔'' (صفحہ ۱۶۲)

''اللہ نے ان (احمد بریلوی) سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا۔'' (صفحہ ۱۴۴)

''احمد بریلوی کی اللہ تعالیٰ سے قصہ گوئی اور گپ شپ بھی ہوتی تھی۔'' (صفحہ ۱۲)

''تقویت الایمان'' میں مولوی اسماعیل دہلوی مقتول کی ہرزہ سرائی دیکھیے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں کسی کی شفاعت نہیں کرسکتے'' (صفحہ ۳۰)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع نہیں ہیں اور اس پر ایمان رکھنے والا ابوجہل کی طرح مشرک ہے۔'' (صفحہ ۶)

نبی کو قوت تصرف نہیں ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔'' (صفحہ ۸)

''محبوبان خدا کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے بھی متصرف جاننا شرک ہے۔'' (صفحہ ۸)

'' مولوی ابوالحسن علی ندوی بھی شدت سے اس کے قائل ہیں کہ

''اللہ کے یہاں شرک کسی حال میں معاف نہیں اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں انہیں رحمت حق چاہے تو معاف کرسکتی ہے۔''

(تعمیر حیات، ۸ جون، ۲۰۰۸، صفحہ ۶)

ان کے ممدوح مصنف تقویت الایمان کی دریدہ دہنی دیکھیے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرکر مٹی میں مل گئے۔'' (صفحہ ۵۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بھائی کے برابر ہیں۔'' (صفحہ ۵۱-۵۲)

''ہر چھوٹی بڑی مخلوق خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔'' (صفحہ ۱۳)

''جو کوئی کسی (انبیا و اولیا) کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھے اور نذر و نیاز کرے گو اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔'' (صفحہ ۸)

''سو اب بھی جو کوئی مخلوق کو عالم میں متصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل ہی سمجھ کر اس کو مانے سو اس پر شرک ثابت ہوجاتا ہے۔'' (صفحہ ۲۷)

مولوی اسماعیل دہلوی مقتول کی ایک اور گندی اور کفری عبارت ''صراط مستقیم'' کے صفحہ ۷۵ پر ہے:

''نماز میں پیر اور اس کے مانند اور بزرگوں کی طرف خیال لے جانا، اگرچہ جناب رسالت مآب ہوں، کتنے ہی درجوں اپنے بیل اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔''

مصنف تقویت الایمان مولوی اسماعیل دہلوی مقتول جیسے ہرزہ سرا کے ہم نوا اور ہم خیال مداح کے لیے مولوی عبداللہ عباس ندوی پھلواروی کی محولہ بالا تحریر کہیں ہجو ملیح تو نہیں کہ یہ بھی زباندانوں کا ایک پیرایۂ بیاں ہے کیونکہ اکابر علماے اہل سنت والجماعت نے عالمی سطح پر مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی منظور نعمانی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی ثناء اللہ امرتسری کی بکواس، خرافات اور بدعقیدگی کی طرح مولوی حسین احمد ٹانڈوی کی الشہاب الثاقب، مولوی اشرفعلی کی حفظ الایمان اور مولوی محمد الیاس کے ملفوظات و مکاتیب کو بھی حق و درایت کی خراد پر چڑھا کے اس کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

مولوی ابوالحسن علی ندوی آخر اسماعیل دہلوی گستاخ رسول کے مدح سرا کیوں نہ ہوں کہ وہ اپنے پیر و مرشد اور ان کے بزرگ خاندان سید احمد بریلوی کو سلوک نبوت حاصل ہونے کے بھی قائل ہیں۔

''صراط مستقیم'' میں اس طرح درج ہے:

''حصول بیعت کے یمن اور آنجناب کی توجہات کی برکت سے آپ کو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقایع عجیبہ کے سبب طریق نبوت کے کمالات جو ابتدائے فطرت میں مجملاً درج تھے، ان کی اب تفصیل اور شرح کی نوبت پہنچی اور مقامات طریق ولایت بھی اچھی وجہ پر جلوہ گر ہوئے۔ ان سب معاملات سے اول اور بہتر یہ ہے کہ آپ نے رسالت مآب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر سید صاحب کے منہ (میں) رکھے تھے اور بعد از اں آپ بیدار ہوئے۔ اس رویائے حق کا اثر ظاہر باہر اپنے نفس میں پاتے تھے اور اس خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہو گیا۔''

(صراط مستقیم، اردو ص ۱۸۹، فارسی ص ۱۶۴)

آگے اور لکھتے ہیں:

''ایک دن جناب ولایت مآب (سید احمد بریلوی) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خواب میں دیکھا پس جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا اور آپ کے بدن کی خوب اچھی طرح شست وشو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست وشو کرتے ہیں اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے پہنایا، پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت جلوہ گر ہوئے۔'' (صراط مستقیم اردو ص ۱۸۶)

آخر کچھ تو سبب تھا ایک موہن رسالت مآب کی اس قدر بڑھ چڑھ کے مداحی کا۔

''تذکرۂ حضرت رفاعی'' کا مقدمہ پڑھ کے، اس کے مصنف مولوی ابو الحسن علی ندوی کو لاکھ ''دریائے علم وفضل کا شناور''، ''بحر حقیقت کا غواص'' اور ''راہ درویشی کا مربی و رہنما'' لکھا جائے نیز ''اکابر صوفیا وعلما کا فرزند وجانشین اور عظیم الشان شیخ طریقت کا مجاز و خلیفہ'' کہا جائے، احکام شریعت اور آئین طریقت کی رو سے اگر سلسلہ ہی سوخت و منقطع ہو تو کیسی اجازت اور کہاں کی خلافت۔

کیا ''دریائے علم وفضل کے شناور'' شان احدیت اور باب رسالت پناہی میں اپنے مخدومین و مرشدین کی مطبوعہ گندی تحریروں سے رجوع کرنے کی ہمت رکھتے تھے یا ان کی طرف سے ارباب ندوہ یہ جرات دکھا سکتے ہیں؟

سید الانبیاء وختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کافرانہ وگستاخانہ عبارتیں لکھنے والوں سے اپنی محفوظ عقیدت اور مضبوط ارادت رکھنے والے یہ دنیا دار مفاد پرست عالم وفاضل کہے جانے کے مستحق ہیں؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

آخر یہ حدیث کن لوگوں پر صادق آئے گی کہ

''اگر کوئی کسی کو کافر کہے اور وہ کافر نہ ہو تو کفر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔''

یہ سلسلۂ قادریہ اور دیگر سلاسل کے اہل اللہ اور پیران عظام و مشائخ کرام جو ''یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ'' کا ورد و وظیفہ کرتے رہے اور اس کے عامل ہیں، ان سب کو اگر بیک قلم کفر وشرک کا مرتکب اور ابو جہل جیسا کہا جائے تو کہنے اور لکھنے والا خود کہاں ٹھہرے گا۔

مولوی ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''اس ملک کے لیے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے۔''

تو وہی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو صاحب تقویت الایمان کے جد امجد اور ہمارے سند مستند ہیں اپنی تصنیف ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء'' میں اذکار اولیاء اللہ مجرّبہ کی اجازت اپنے اکابر سے نقل فرماتے ہیں۔

ختم قادریہ کے طریقہ سے لکھتے ہیں:

''کلمہ تمجید اور درود شریف پڑھنے کے بعد ایک ہزار بار یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ پڑھے۔'' صفحہ ۶۲

(بحوالہ ''احقاق حق'' مؤلفہ سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول قادری بدایونی ترجمہ مولانا اسید الحق قادری)

کہاں گئی دریائے علم وفضل کی شناوری اور بحر حقیقت کی غواصی؟ حق ہے ''خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِم غِشَاوَۃٌ''

ہر آبروے کہ اندو ختم نہ دانش و دیں
نثارِ خاکِ رہِ آں نگار خواہم کرد

قارئین کرام توجہ فرمائیں!

ان شاءاللہ معارفِ رضا کا آئندہ شمارہ سالنامہ ہوگا جوفروری ۲۰۰۹ء میں امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۹ء کے موقع پر شائع ہوگا۔ ساتھ ہی عربی اور انگریزی کا الگ شمارہ بھی شائع ہوگا۔ اس لیے جنوری، فروری اور مارچ کا معارفِ رضا شائع نہیں ہوگا۔ اگلا ماہنامہ اپریل ۲۰۰۹ء کا ہوگا۔ معارفِ رضا کے رکن حضرات کو اردو سالنامہ معارفِ رضا اعزازی طور پر روانہ کیا جائے گا۔ عربی اور انگریزی معارفِ رضا ممبران کو ۵۰ فیصد رعایت پر ملے گا۔

ضروری نوٹ

معارفِ رضا ''کنز الایمان نمبر'' کے لیے جو علماء، محققین اور اسکالر حضرات تا حال اپنا مقالہ ادارہ کو بھیج نہیں سکے، ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقالہ ۲۵ ردسمبر ۲۰۰۸ء تک ادارے کو ارسال کردیں۔ تاخیر سے ملنے والے مقالات شاملِ اشاعت نہیں کیے جاسکیں گے۔

﴿ادارہ﴾

علمی، ادبی و تحقیقی خبریں

﴿ترتیب و پیشکش: ندیم احمد قادری نورانی﴾

رضویات پر نئی پی. ایچ. ڈی/ ایم۔ فل رجسٹریشن

نام اسکالر	عنوان	نگران	یونیورسٹی	رجسٹریشن کی تاریخ	رجسٹریشن نمبر
محترم عارف علی خاں (برائے پی ایچ ڈی)	نثر اردو اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی	ڈاکٹر صابر سنبھلی	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	2008ء	
محترم مولانا ارشد سنبھلی (برائے پی ایچ ڈی)	فروغ اردو میں امام احمد رضا کی خدمات	ڈاکٹر صابر سنبھلی	//	2008ء	
محترم قیصر ایوب (برائے پی ایچ ڈی)	فتاویٰ رضویہ، امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ ثنائیہ کے منہاج کا تحقیقی جائزہ	ڈاکٹر محفوظ احمد	جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان	2007ء	2007-GCUF-11-220
محترمہ عابدہ تسنیم (برائے پی ایچ ڈی)	The concept of Fatawa Ridviyya pertaining to Marital Life	پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد سلیم اختر	دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان	13 اگست 2007ء	041-05-10723
محترم حافظ محمد عارف (برائے ایم فل)	امام احمد رضا کے معاشی نظریات اور عصرِ حاضر میں اُن کی افادیت (فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں)	ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی (اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف فیصل آباد)	//	7 نومبر 2008ء	MP1-FA07-034

مزید یہ کہ

☆ آنسہ شبنم خاتون کا پی. ایچ. ڈی مقالہ بعنوان ''مولانا احمد رضا خاں کی عربی زبان وادب میں خدمات'' (زیرِ نگرانی: پروفیسر ڈاکٹر ابو حاتم، شعبۂ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا) داخل ہوگیا ہے۔

☆ مولانا حافظ شفیق اجمل صاحب کا پی. ایچ. ڈی مقالہ ''بیسویں صدی میں امام احمد رضا اور علمائے اہلِ سنت کی ادبی و دینی خدمات'' (زیرِ نگرانی: ڈاکٹر رفعت جمال، بنارس ہندو یونیورسٹی، انڈیا) پر وائیوا (viva) ہونے والا ہے۔

☆ ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے کنزالایمان کے حوالے سے جو موضوعات سہ ماہی ''رضا بک ریویو''، شمارہ اول میں شائع کیے تھے اور ماہنامہ ''معارفِ رضا'' کراچی کے شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۰۸ء میں بھی شائع ہوئے تھے، اگر ان میں سے کسی عنوان پر کوئی اسکالر تحقیق کرنا چاہے یا ایم۔فل، پی. ایچ. ڈی کی سطح پر اپنے تحقیقی مقالہ کا عنوان بنانا چاہے تو مدد کے لیے ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب سے اس پتے پر رابطہ کر سکتا ہے:

Raza Book Review, Al-Qalam Foundation, Sultanganj, Patna- 6(Bihar)

Mob # 09835423434, E-mail:dramjadrazaamjad@yahoo:com

☆ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ پر پی. ایچ. ڈی کے درج ذیل دو مزید عناوین منتخب کیے ہیں:

۱۔ خانوادۂ رضا کی اردو شعری خدمات ۲۔ خانوادۂ رضا کی اردو نثری خدمات

ان عنوانات پر پی. ایچ. ڈی کے لیے ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نگرانی کے لیے آمادہ اور رضامند ہیں۔ جو حضرات ان میں سے کسی عنوان پر پی. ایچ. ڈی کرنا چاہیں، وہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب سے اس پتے پر رابطہ کریں:

Dr. Abdul Naim Azizi, Director, Raza Islamic Academy, 104, Jasoli, Bareilly, U.P. 243003 (INDIA). Tel # 0091-581-2576775, Mob # 0091-999-7727884

وفیات

۱۔ مولانا مفتی محمد مکرم احمد دہلوی صاحب کی والدہ ماجدہ اور مسعودِ ملت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی بھابھی صاحبہ کا دہلی میں انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر جناب سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خان، فنانس سیکریٹری حاجی عبداللطیف قادری اور دیگر اراکینِ ادارہ حضرت قبلہ مفتی صاحب اور ان کے خانوادے سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ وہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کو اعلیٰ علیین میں بلند درجات عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیقِ رفیق بخشے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

۲۔ محترم ڈاکٹر محمد افضل صدیقی صاحب یکم نومبر ۲۰۰۸ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے دو سو صفحات پر مشتمل ایم۔ایڈ کی سطح پر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان "A Comparative study of Modern Educationists vs Ahmad Raza Hanfi's Educational Thoughts" اسسٹنٹ پروفیسر عبدالغفار گوہر (یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد کیمپس، پنجاب) کی زیرِ نگرانی تحریر فرمایا۔ اس مقالے کی تکمیل ۲۰۰۷ء میں ہوئی۔ اس مقالے پر ایک بھرپور تبصرہ سالنامہ ''معارفِ رضا'' ۲۰۰۸ء اردو اور سالنامہ ''معارفِ رضا'' انگریزی ۲۰۰۸ء کے علاوہ سالنامہ یادگارِ رضا ۲۰۰۸ء، رضا اکیڈمی، ممبئی، انڈیا میں بھی شائع ہوا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، فنانس سیکریٹری حاجی عبداللطیف قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خان نوری اور دیگر اراکین واحبابِ ادارہ مرحوم کے انتقال پر اُن کے اہلِ خانہ و متعلقین سے پُرخلوص دلی تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور مرحوم کے متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

خطوط کے آئینے میں

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (ایم۔اے)، نگران، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور:

آج خصوصی ڈاک میں معارفِ رضا کے چار شمارے ملے۔ بے حد ممنون ہوں۔ آپ نے اس شمارے کی ترتیب وتہذیب میں بڑی محنت کی اور عمدہ مقالات کو شائع کیا۔ آپ کا اداریہ توجہ سے پڑھا اور محظوظ ہوا۔ اعتقادی اور مسلکی نکتے قارئینِ معارفِ رضا کو پسند آئیں گے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سرپرست حضرت قبلہ مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ پر اچھے مضامین چھپے ہیں۔ ان کی علمی اور مسلکی زندگی کے کئی پہلو سامنے آئے۔ ہر مقالہ نگار کی تحریر کا اپنا اپنا رنگ ہے اور اپنا اپنا انداز ہے۔ 'ہر گُلے را رنگ و بوئے دیگر است'۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان تمام مقالات پر اپنے تاثرات ریکارڈ کراؤں۔ مگر یہ بات آپ کے قارئین پر گراں ہوگی۔

صاحبزادہ علی اصغر مجددی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین علی پور سیداں کا انٹرویو دوبارہ پڑھا۔ اس سے پہلے جہانِ رضا میں چھپ چکا ہے۔ دل خوش ہوگیا۔ پروفیسر محمد اکرم رضا کو فون پر ہدیۂ تحسین پیش کیا۔ یہ بات ہمارے لیے باعثِ افتخار ہے کہ پنجاب کے سجادہ نشینوں کے صاحبزادے خصوصاً نقشبندی اور مجددی بزرگوں کی اولاد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے تربیت حاصل کرتی رہی ہے۔ آج کے ناواقف صاحبزادوں کو علم نہیں کہ ان کے بزرگوں نے تاجدارِ بریلی سے کیا کیا حاصل کیا تھا۔

مجھے معارفِ رضا سے ہٹ کر آپ نے اپنی خصوصی تحریر سے بھی نوازا ہے۔ رات پڑھتا رہا اور آپ کے استعارات، مواکات اور سیاسی تلمیحات سے لطف اندوز ہوا۔ آپ کے قلم دلکر نے بڑی خوبصورت سیاسی تلمیحات سے مزین فرمایا ہے اور لطف آگیا۔

''معارفِ رضا'' کے آخری صفحہ پر آپ نے ''عالمی سہارا'' کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ''خیابانِ رضا'' کا تعارف کرادیا ہے، شکریہ قبول فرمایئے۔ اس عریضہ کے ساتھ جہانِ رضا کے چند شمارے ارسال کیے جارہے ہیں۔ مناسب حضرات میں تقسیم فرمادیں۔

محمد نور الحسن نعیمی، گجرات، انڈیا:

کل ہی مولانا انور بغدادی صاحب نے خبر دی، آپ کے حالات سے بھی آگاہ کیا۔ حضور والا! کافی مصروفیات تھیں اس لیے رابطہ کافی عرصہ سے ہو نہیں سکا۔ یہاں مرکز میں آئے تو اللہ عزوجل کے فضل سے اور آپ کی دعا سے کئی کام سامنے آگئے اور جلد ہی کچھ کتابوں کے ترجمے اور تخریج وتقدیم آپ کی بارگاہ میں پہنچیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میں اسی ماہ کے آخر میں مصر جانے والا ہوں۔ ایم۔اے کا رسالہ ابھی لکھنا ہے۔ یہاں تو مرکز کے کام میں لگا رہا اس لیے کچھ لکھ نہیں سکا ہوں۔

۱۔ الفضل الموہبی اردو پر تخریج اور تقدیم اور تعریب از سرِ نو میرے ذریعے ہوگئی ہے، شائع ہونے کے لیے بھیج دی ہے۔

۲۔ عربی ترجمہ بھی بالکل نئے انداز میں ترجمے اور تخریج وتحقیق کے ساتھ مکمل ہوگیا ہے۔

۳۔ الطیب الوجیز پر تقدیم وتخریج اور تعریب میرے ذریعے ہوگئی ہے، جو شائع ہونے کے لیے جاچکی ہے۔

۴۔ ڈاکٹر سبائی کی کتاب کا ترجمہ کیا تھا جو استشراق سے متعلق تھی، وہ بھی شائع ہونے کے لیے بھیج دی گئی ہے۔

مقال العرفا پر بھی کام ہوچکا ہے۔ عربی، اردو، وہ بھی جلد شائع ہونے کے لیے چلی جائے گی۔ چار ماہ میں اتنا کام ہوا۔ دعا فرمائیں مزید کام ہوجائے، لگے ہوئے ہیں۔ منور صاحب کو بھی اسی مقصد کے تحت بلوایا گیا ہے۔

ایک کام ضروری ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب لمعات التنقیح شائع کرنا چاہتے ہیں لیکن پوری جلدیں دستیاب نہیں ہیں۔ صرف تین جلدیں لاہور کی چھپی ہوئی ملی ہیں۔ برائے کرم مندرجہ ذیل مکتبہ سے اتنا معلوم کرکے مطلع فرمادیں کہ آیا انہوں نے مکمل سیٹ شائع کیا تھا یا صرف تین ہی جلدیں؟

المکتبۃ المعارف العلمیہ، شارع شیش محل، لاہور، پاکستان

یہاں سے یہ کتاب ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ خبر ملی تھی کہ آپ تشریف لانے والے ہیں، بڑی خوشی تھی کہ ملاقات ہوجائے گی لیکن اب تک پتا نہیں چلا۔

احباب کو سلام عرض کریں۔ دعاؤں کی درخواست ہے۔

رضویاتی ادب کے فروغ کے لئے محققینِ رضا کی بارگاہ میں

مشاورتی سوال نامہ

از: ڈاکٹر امجد رضا امجد☆

(۱) غالبیات واقبالیات کی طرح ''رضویات'' بھی عالمی سطح کا ایک موضوع بن چکا ہے، آپ اس نظریہ سے کہاں تک اتفاق رکھتے ہیں؟

(۲) ماضی میں خانقاہیں امام احمد رضا اور جماعت اہلسنت سے مربوط رہیں، آج ایک حد تک دونوں کے درمیان بعد پیدا ہوگیا ہے آپ کے نزدیک اس کے اسباب وعلاج کیا ہیں؟

(۳) رضویات پر اپنے علمی، تحریری اور تنظیمی کاموں پر روشنی ڈالیں۔

(۴) آپ کی لائبریری میں امام احمد رضا کی اور ان سے متعلق کون کون سی کتابیں ہیں؟

(۵) کیا اپنی لائبریری میں موجود رسائل میں رضویات پر شائع مواد کا اشاریہ پیش کر سکتے ہیں!

(۶) آج رضویات پر کا کرنے والے افراد کثرت سے پائے جارہے ہیں آپ ان میں کن افراد کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان سے آپ کی کیا توقعات ہیں۔

(۷) کیا آپ ضروری نہیں سمجھتے ہیں کہ رضویات پر جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، ان پر تنقیدی نگاہ ڈالی جائے۔

(۸) رضویات پر شائع کتابوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے، کیا آپ ان میں منتخب کتابوں کی ایک جامع فہرست دے سکتے ہیں جنہیں ''تفہیم رضویات'' کے لئے غیر آشنا حضرات کو پیش کی جائیں۔

(۹) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رضویاتی ادب کے علاوہ موافقین ومخالفین کی کن کن کتابوں میں امام احمد رضا کا تذکرہ ہوا ہے۔

(۱۰) آپ کے علاقہ میں کن کن خانقاہوں اور بزرگوں سے امام احمد رضا کے تعلقات ومراسم تھے اور ان سے متعلق مواد کہاں دستیاب ہوگا؟

(۱۱) رضویات پر جتنا کچھ کام ہوا اس سے آپ کہاں تک مطمئن ہیں اور مزید کس نہج پر کام کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں؟ (۱۲) امام رحمہ (۱۲) امام احمد رضا سے متعلق جن موضوعات پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے اس کی ایک فہرست پیش کرنے کی زحمت فرمائیں اور ہو سکے تو موضوعات سے متعلق مواد کا ممکنہ اشاریہ بھی قلمبند فرمادیں۔

(۱۳) فتاویٰ رضویہ کو فقہی حنفی کا شہکار تسلیم کیا گیا ہے اس پر مزید کام کی جہتیں کیا کیا ہو سکتی ہیں؟

(۱۴) تنقید کا استعمال امام احمد رضا کے سلسلہ میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، کیا یہ صورت حال، رضویات پر کام کرنے میں کسی طرح رکاوٹ بنتی ہے، خصوصاً اس کو عصری اسلوب سے جوڑنے میں؟

(۱۶) امام احمد رضا نے مختلف سائنسی فنون پر اپنی نگارشات قوم کے سپرد کی ہیں، ان سائنسی نگارشات کو دور جدید کے سائنسی ماہرین کے سامنے کیسے متعارف کرایا جائے؟ تاکہ امام احمد رضا کی سائنسی خدمات منظر عام پر آسکیں۔

(۱۸) رضویّات پر ہونے والے کام کے تحقیقی وتجزیاتی مراتب کہا تک اطمینان بخش ہیں؟

(۱۹) نئی صدی آچکی ہے؟ رضویات پر کاموں کی حکمت عملی میں کیا تبدیلی آنی چاہئے؟

(۱۹) غیر ممالک میں ''رضویات'' کو متعارف کرانے کی صورتیں آپ کے نزدیک کیا ہیں؟

آپ اپنے جوابات اس ای۔میل ایڈریس پر ارسال کر سکتے ہیں:

<dramjadrazaamjad@yahoo.com>

☆مدیر، رضا بک ریویو، پٹنہ، انڈیا

اظہارِ تشکر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے ماہنامے معارفِ رضا اور دیگر کتب کی اشاعت کے سلسلے میں النور سوسائٹی، ہوسٹن، ٹیکساس (امریکا) ادارے کے ساتھ ہر ماہ مالی تعاون کر رہی ہے۔ ادارے کے صدر صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، فنانس سیکریٹری حاجی عبد اللطیف قادری، جوائنٹ سیکریٹری پروفیسر دلاور خاں نوری اور دیگر اراکین و احبابِ ادارہ، النور سوسائٹی کے اس مالی تعاون پر خلوصِ دل سے شکر گزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ النور سوسائٹی ادارے کے دیگر نشر و اشاعت کے کاموں میں بھی اپنے تعاون سے نوازے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ النور سوسائٹی کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کے منتظمین و اراکین کو دنیا اور آخرت میں بہترین جزائے خیر سے نوازے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم

IMAM AHMAD RAZA ANNUAL CONFERENCE 2009

To commemorate the 90th death Anniversary of Sheikh-ul-Islam Imam Ahmad Raza Khan Mohaddith Bareilvi the great Scholar, Saint, Expert of Islamic Jurisprudence, Intellectual for the 19th/20th Century in Indo-Pak Sub Continent and writer of over 1000 books on Islamic teachings and modern subjects, we announce with great pleasure the holding of Imam Ahmad Raza Annual Conference 2009, the 29th conference since 1980.

The Conference is scheduled to be holding on Saturday and Sunday, 14th and 15th February 2009.

Renowned Scholars from abroad besides Pakistan will read their research papers on the life and works of Imam Ahmad Raza Khan. The Conference will be attended by a large number of prominent Scholars, Educationist, Journalists, Ulamas, Mashaikhs, notable figures, industrialists, businessmen and elite of the societies.

On this occasion, we bring out a beautiful "SOUVENIR" (11" x 8" size) on offset paper with four-colour title. The "SOUVENIR" besides messages from most prominent personalities of the country and abroad, would also contain thought provoking articles by writers of national and International fame. It will be published in 5000 numbers.This SOUVENIR will also be shown on our website www.imamahmadraza.net which is at present being visited by our viewrs in more than thiry five countries of the world. We shall be thankful if you kindly favour us with your advertisement for this "SOUVENIR" which, we assure, would not only be a source of Publicity for your products/services but also contribute a lot in helping the organization like that of ours, which are engaged in research work on the great personalities of the subcontinent who have left treasures of knowledge and wisdom for the benefits of the future generations.

Thanking you for this favour we remain

TARIFF

1. Back Cover (4 Colour)	**Rs.25,000/-**
2. Inside Front cover	**Rs.20,000/-**
3. Inside Back cover	**Rs.20,000/-**
4. Full page (Four Colour)	**Rs.10,000/-**
5. Full page (Black & White)	**Rs.5000/-**
6. Banner (Conference Hall)	**Rs.15,000/-**
7. Stage Banner	**Rs.25,000/**

upon the abrogated Law is null. The Holy Prophet said, "If Musaa was in my times he would have no way except to follow me."

The saying of the denier that "his Ummah (*followers*) will be left without a Messenger" is his obvious ignorance; and if he knowingly says so, he is ignorant of Christianity. Are the Christians now true followers of Messiah? Are they still on his religion? God forbid! كبرت كلمة تخرج من أفواههم[8] (*What a monstrous word it is that comes from their mouths.*)

Allah Knows the Best

Dated: Nov. 4, 2008

[8]Al-Quran 18:5.

All the Prophets (*peace and blessings of Allah be upon them*) are alive with their real physical life. The Holy Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) has said: الأنبيـــاء أحيـــاء في قبـــورهم يـــصلون[5] i.e. the Prophets are alive in their auspicious graves and are praying therein.

He again said: إن الله حرم علي الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حيٌ يــرزق[6] i.e. Allah has not allowed the earth to eat the bodies of the Prophets. Thus the Prophet of Allah is alive and he is endowed with the means of living.

6. God forbid! No Messenger is set aside from the seat of Messengerhood, nor will our lord Messiah (*peace be upon him*) be dismissed from his position of Messengerhood. His being among the follower of the Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) never intrudes his status as a Messenger. Before his second advent, even in his own period he was a follower of the Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) and after his ascension he is even now a follower of his.

   All the Prophets and Messengers were the followers of the Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) in their own periods and they will remain so. They were Messengers then and are Messengers even now because our Prophet is the Prophet of all including those who were sent before him. Allah, *the Exalted*, Himself has ordered all the Prophets and Messengers, regarding His Last Messenger, in the Qur'an: لتؤمنن بـــه ولتنـــصرنه[7] i.e. You shall assuredly believe in him and help him.

   However, the previous Prophets were making decisions and solving the issues brought to them according to their Law but now the Muhammadan Law has abrogated all the earlier Laws. It is not just the matter of Hadrat Messiah, any other Messenger if appears will act upon the Law given by the Holy Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) because acting

---

[5] See: مسند أبي يعلى، أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي، دار المأمون للتراث – دمشق، 1404 هـ/ 1984م

[6]This Hadith is in many books. For example, see: سنن إبن ماجة، باب ذكر وفاته صلي الله عليه وسلم.

[7]Al-Quran 3:81. The above mentioned are just a few words of the long ayat. The translation of the full ayat is: "And recall when Allah took from the Prophets a solemn Covenant whatever I give you of the Scripture and Wisdom, and then comes to you the Messenger confirming your Books, you shall assuredly believe in him and help him. Thereafter Allah said, "Do you agree and take this as my firm agreement as binding on you?" They all submitted, "We agreed." Allah said, "Then be witnesses and I am also with you among the witnesses."

(*peace and blessings of Allah be upon him*), it goes against the Holy Qur'an which says that Allah will not deprive any Messenger of his earlier status. And will his Ummah be left without a Messenger of Allah?

Answer:

1. There is no proof of this in the Islamic Legal Sources. In Christian sources, Joseph has been written as her fiancé. However, she will be one of the wives of the Chief of the entire Prophets' (*peace and blessings of Allah be upon him*) as has been recorded in a Hadith.
2. No, any woman has never been a Prophetess of Allah Almighty.
3. Yes, in this sense that death has not yet come upon them, four Prophets are alive. Hadrat 'Isa and Idrees are on the heavens whereas, Hadrat Ilyaas and Khidr are on the earth, (*peace be upon them*).[2]
4. The Holy Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) met him on the second heaven by the Night of Me'raj[3]. To welcome their chief and to follow him in the prayer, all the Prophets (*peace and blessings of Allah be upon them*) first gathered in the al-Aqsa Masjid, the Bait al-Maqdis. Then, the Holy Prophet (*peace and blessings of Allah be upon him*) saw them in their assigned places. It is clear from this that the seat of Hadrat 'Isa (*peace be upon him*) is on the second heaven but people say that he is on the fourth heaven. *And Allah Knows the Best*
5. The denier of the life of Prophets (*peace and blessings of Allah be upon them*) is a misled and faithless person. Basically, the word خلت used in this ayat is never a proof of the arrival of death. God forbid! How can it be an evidence of the continuity of death on them? This word proves just the end of the period. For example, to say, without assimilation, that a number of Sultans have ruled before Sultan Muhammad Khan, the fifth. It does not mean that Sultan Hameed Khan is not alive.[4]

---

[2]See: شرح المقاصد الحسنة، الفصل الرابع، المبحث السابع، دارالمعارف النعمانية، لاهور، ج2 ص311.

[3]The Me'raj is our Prophet Muhammad's (*Peace and Blessings of Allah be upon him*) midnight Journey physically to the seven heavens. This event took place in the 11[th] year of Prophethood 621 C.E, during the latter part of the 27[th] night of the month of Rajab in a total state of wakefulness. (See: English version of نور العرفان علی کنز الإیمان, published by Dar-ul-Uloom Pretoria, South Africa, vol. 1, p. 882; for a detailed scholarly discussion about the event, see: Allamah Ghulam Rasool Saeedi, ***T'byaan-ul-Qur'an***, (Lahore: Farid Book Stall, 1[st] 2002, 5[th], 2007), vol. 6, pp. 615-643)

[4]This statement shows that at the time of writing this answer Sultan Hameed Khan was alive.

Hadrat 'Isa and His Mother (*Peace be upon them*)

Trans: ***Khursheed Ahmad Saeedi***

E-mail: khursheedseedi@hotmail.com

Introduction:

Aziz-ud-Din, a reader in the court of city, asked six questions in a letter to 'Ala Hadrat Imam Ahmad Rida Khan (*May Mercy of Allah be upon him*). The date of this letter mentioned in the Fatawa Ridawiyyah is 13th Jumada al-Uola 1336 A.H.

The Urdu text of the questions and their answers is in volume 9, pp. 11-12 of Fatawa Ridawiyyah published (*no date*) by Dar-ul-Uloom Amjadiyyah, Karachi and in volume 29, pp. 109-111 of Fatawa Ridawiyyah published (in August 2005) by Rida Foundation, Lahore Pakistan.

If one compares the text of the questions and their answers in these two sources, one finds that there are minor textual differences as well as difference in the order of the common text. The experts of the field are hoped to explain the reason of these differences because still there is no footnote to clarify the difficulty. The following translation is based on the text of Fatawa Ridawiyyah published by Rida Foundation, Lahore.

The discussion of the questions revolves around the status and life of Hadrat Isa and his highly esteemed mother Hadrat Maryam (*peace be upon them*).

Translation:

1. Was there a marriage contract (*Nikah*) of Hadrat Maryam (*peace be upon her*) with her cousin Joseph, the carpenter, after the birth of Hadrat 'Isa (*peace be upon him*)?
2. Was Hadrat Maryam (*peace be upon her*) a Prophetess or not?
3. How many Prophets are alive now and where are they?
4. Is Hadrat 'Isa (*peace be upon him*) on the fourth heaven?
5. A man does not believe in the life of the Prophets and he argues his stand with the ayat [1] قد خلت من قبله الرسل. What is meaning of this ayat?
6. He further asks that whether Hadrat 'Isa (*peace be upon him*) will be a Messenger of Allah or not after coming down? If he will not be a Messenger of Allah but a member of the Ummah of the Holy Prophet Muhammad

[1] Al-Quran 5:75.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

رضا کی ادویات۔ بے مثل خصوصیات

رضا کی دیگر مؤثر ادویات میں سے چند ایک نظر میں

نام دوا	قیمت	فوائد و استعمالات
انرجیک سیرپ ENERGIC Syrup	75/-	اعضائے رئیسہ وشریفہ (دل، دماغ، جگر) کی حفاظت کرتا ہے۔ جسم کو خون سے بھرپور کرتا ہے۔ ضائع شدہ توانائی بحال کرتا ہے۔
کف کل سیرپ COUGHKIL Syrup	30/-	خشک اور بلغمی کھانسی، کالی کھانسی، شدید کھانسی، دورے والی کھانسی، دمہ اور امراض سینہ میں بے حد مفید ہے۔
لیورجک سیرپ LIVERGIC Syrup	50/-	ضعفِ جگر، یرقان، ورم جگر، ہیپاٹائٹس، جگر کا بڑھ جانا، جگر کا سکڑ جانا، ورم پتہ، مثانہ کی گرمی، سینہ اور ہاتھ پاؤں کی جلن میں مفید ہے۔
پیوریفک سیرپ PURIFIC Syrup	45/-	چہرے کے داغ دھبے، کیل مہاسے، گرمی دانے، پھوڑے پھنسیاں، خارش، الرجی، داد، چنبل، بواسیر بادی وخونی میں مفید ہے۔ اعلیٰ مصفی خون ہے۔
گائنوجیک سیرپ GYNOGIC Syrup	110/-	ایام کی بے قاعدگی، رحم کی کمزوری، ورم رحم، عادتی اسقاطِ حمل، اٹھرا، کمر درد اور جملہ امراض نسوانی میں اکسیر ہے۔
لیکورک کیپسولز LIKORIC Capsules	90/-	سیلان الرحم (لیکوریا)، حاد و مزمن کی مؤثر دوا ہے۔ اندام نہانی کے ورم اور سوزش کو دور کرتے ہیں، کیلشیم کی کمی، رحم اور متعلقات رحم کو تقویت دیتے ہیں۔
عرقِ جگر ARQ-E-JIGAR	60/-	جگر وطحال کے جملہ امراض، درد جگر، ورم جگر، جلندھر، ہیپاٹائٹس کی جملہ اقسام میں مناسب بدرقات کے ساتھ حیرت انگیز نتائج کا حامل ہے۔
شربتِ بادام SHARBAT-E-BADAM	110/-	دماغ کو طاقت دیتا ہے، حرارت کو تسکین دیتا ہے، سینہ وطبیعت کو نرم کرتا ہے۔
دافعِ جریان کورس DAF-E-JIRYAN Course	300/-	کثرتِ احتلام، جریان، سرعتِ انزال، ذکاوتِ حس میں اکسیر ہے۔
روزک سیرپ ROSIC Syrup	150/-	فطری قوتِ مدبرہ بدن کو بیدار کرتا ہے۔ ہاضمے کے عمل کو بہتر بناتا ہے۔ جگر اور اعصاب کو طاقت دیتا ہے۔ خواتین کے لئے بہترین ٹانک ہے۔ زچہ و بچہ میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔
کڈٹانک سیرپ KIDTONIC Syrup	27/-	بچوں کو قبض، اپھارہ، نفخ، پیچش، قے دست، کھانسی، نزلہ، زکام، بخار اور گلے کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ جسم کو طاقت دیتا اور غذائی کمی، خون کی کمی اور کیلشیم کی کمی کو پورا کرتا ہے۔
کشش (بریسٹ کریم) KASHISH Breast Cream	150/-	اکثر خواتین ایک ہی بچہ پیدا ہونے کے بعد نسوانی خوبصورتی کھو دیتی ہیں۔ کشش (بریسٹ کریم) بریسٹ کو سڈول، خوبصورت اور پُرکشش بناتی ہے۔